مقدماتِ نعمانی

رشحاتِ قلم :

محقق العصر شیخ الحدیث

علامہ محمد عبدالرشید نعمانی

قدس اللہ سرہ

فہرست مقدمات

مقدمہ
مسند امام اعظمؒ

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ
مسند امام اعظم رحؒ

از

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو علم حدیث میں جو رتبہ حاصل ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت سے ان کی مسندیں لکھی گئیں کسی کی نہیں لکھی گئیں۔ مسلمانوں میں روایت حدیث کو جو ترقی ہوئی، دنیا میں اس کی نظیر موجود نہیں۔ صحاح، سنن، مستخرجات، جوامع، مسانید، معاجیم، اجزاء، طرق، وغیرہ مختلف عنوانات قائم ہوئے اور ہر عنوان کے تحت اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے لیکن خاص کسی ایک ہی شخص کی روایات کو ایک مستقل مجموعہ میں علیحدہ قلمبند کرنے کا رواج زیادہ نہیں ہو سکا۔ محدثین اور حفاظ میں بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں کہ جن کی حدیثیں مستقل تصانیف میں جداگانہ مدون کی گئیں۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے۔ صرف امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) ایک ایسے شخص ہیں جن کی احادیث و روایات کے ساتھ معمول سے زیادہ اعتنا کیا گیا نہایت کثرت سے ان کی مسندیں لکھی گئیں۔ اور ان ائمہ وقت اور حفاظ حدیث نے لکھیں جو خود اس قابل تھے کہ ان کی مسانید لکھی جاتیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کا ہمسر ہو سکتا ہے تو صرف امام مالک (رحمہ اللہ) ہیں۔

امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کی احادیث و روایات کو جن محدثین نے مستقل طور پر علیحدہ تصنیفات میں مدون کیا۔ ان میں سے جن حضرات کے متعلق ہم تحقیق کر سکے حسب ذیل ہیں[1]۔

(۱) حافظ محمد بن مخلد بن حفص دوری

ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور عطار کی نسبت سے شہرت ہے دور بغداد کے آخری سرے پر شرقی جانب میں شہر کے بالائی مقام پر ایک محلہ تھا۔ یہ اسی کی طرف منسوب ہیں ۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے اور جمادی الآخرہ ۳۳۱ھ میں اٹھانوے (۹۸) برس

[1] واضح رہے کہ یہ سب مسندیں کتاب الآثار کے علاوہ ہیں جو علم حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کی مشہور تصنیف ہے۔ اس کتاب کا علم حدیث میں کیا پایہ ہے اور اس کے راوی کس شان کے ائمہ ہیں۔ اور اس کے نسخے کن حضرات سے مروی ہیں ان سب امور پر ہم مقدمہ کتاب الآثار میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں جو ابھی حال میں کتاب الآثار مترجم کے ساتھ محمد سعید اینڈ سنز نے شائع کیا ہے۔

سال کی عمر میں وفات پائی۔ فن حدیث کی تحصیل یعقوب دورقی، زبیر بن بکار، حسن بن عرفہ اور امام مسلم بن حجاج وغیرہ سے کی، اور ان سے دارقطنی، ابن عقدہ اور ابن المظفر جیسے اکابر حفاظ نے اس فن کو حاصل کیا۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے۔ الامام المفید الثقۃ مسند بغداد آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

کان معروفاً بالثقۃ والصلاح والاجتھاد بالطلب۔	یہ ثقاہت میں، نیکی میں اور طلب حدیث کے لئے جدوجہد کرنے میں مشہور ہیں۔

محدث دارقطنی سے ایک بار ان کے بارے میں سوال ہوا تو فرمانے لگے ثقۃ مامون، تذکرۃ الحفاظ میں ان کے والد کا نام مخلد کی بجائے احمد غلط چھپ گیا ہے۔ اس کی تصحیح کر لی جائے۔ حافظ ابن الجوزی کی المنتظم فی تاریخ الملوک والامم اور یاقوت حموی کی معجم البلدان اور رجال کی دوسری کتابوں میں ان کے والد کا نام مخلد ہی مذکور ہے حافظ ابن مخلد نے امام ابوحنیفہ کی روایات کو ایک مستقل تالیف میں علیحدہ جمع کیا ہے جس کا ذکر محدث خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد میں متعدد جگہ آیا ہے۔ چنانچہ محمد بن الحسن بن الوازع ابوداؤد الجمال کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

روی عنہ محمد بن مخلد الدوری فی جمعہ حدیث ابی حنیفۃ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۸۸ طبع مصر)	ان سے محمد بن مخلد دوری نے اپنی کتاب "جمع حدیث ابی حنیفہ" میں روایت کی ہے۔

(۲) حافظ عصر ابن عقدہ ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید الکوفی، عقدہ ان کے والد کا لقب تھا جو ایک نہایت صالح شخص تھے اور نحو کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں شروع کیا ہے ابن عقدۃ حافظ العصر والمحدث البحر پھر ان کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

الیہ المنتھی فی قوۃ الحفظ وکثرۃ الحدیث وصنف وجمع والف فی الابواب والتراجم۔	قوت حافظہ اور کثرت حدیث کی ان پر انتہا ہو گئی۔ انہوں نے ابواب و تراجم دونوں عنوانوں کے تحت تصنیف و تالیف کی اور حدیثیں جمع کیں۔

حافظ ابن الجوزی، المنتظم میں لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ خود اکابر حفاظ میں سے تھے۔ اور ان سے اکابر حفاظ ابوبکر بن الجعابی، عبداللہ بن عدی، طبرانی، ابن المظفر، دارقطنی، اور ابن شاہین نے حدیثیں روایت کی ہیں"

حافظ ابن عقدہ نے ماہ ذی قعدہ ۳۳۲ھ میں وفات پائی۔ ان کا سال ولادت ۲۴۹ھ ہے۔ حافظ بدرالدین محمود عینی شارح بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ:۔

ان مسند ابی حنیفۃ لابن عقدۃ یحتوی وحدہ علی ما یزید علی الف حدیث[1]۔	صرف ابن عقدہ کی مسند ابی حنیفہ ایک ہزار سے زائد احادیث پر مشتمل ہے۔

---

1 ملاحظہ ہو تانیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب از محدث محمد زاہد کوثری ص ۱۵۶ طبع مصر ۱۳۶۱ھ۔

(۳) حافظ ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن ابی العوام السعدی المتوفی ۳۳۵ھ ۔ یہ فن حدیث میں امام نسائی اور امام طحاوی کے شاگرد ہیں ۔ مصر میں عہدہ قضاء پہ فائز رہے امام ابو حنیفہ کے مناقب میں بھی ایک مبسوط کتاب لکھی ۔ یہ مسند ابی حنیفہ بھی اس کتاب کا ایک جزو ہے اس کا قلمی نسخہ دمشق کے کتبخانہ ظاہریہ میں موجود ہے ۔ اور مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن نے وہاں سے اس کا عکس بھی حاصل کرلیا ہے ۔ سنا ہے کہ مجلس مذکور کا ارادہ اس نادر تحفہ کو عام کردینے کا ہے ۔ اس لئے امید ہے کہ جلد یا بدیر یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی ؛

(۴) حافظ اشنانی قاضی ابو الحسین عمر بن الحسن بن علی المتوفی ۳۳۹ھ حافظ طلحہ بن محمد ان کے بارے میں فرماتے ہیں ۔ کان من جلة اصحاب الحدیث المجودین و احد الحفاظ وقد حدث حدیثا کثیرا وحمل الناس عنه قدیما وحدیثا ۔ یعنی "یہ بڑے پایہ کے جلیل القدر محدثین اور حفاظ حدیث میں سے تھے ۔ انہوں نے نہایت کثرت سے حدیثیں بیان کیں ۔ اور لوگوں نے قدیما وحدیثاً (ہر زمانے میں) ان سے روایتیں کیں" اور حافظ ابو علی نے جو دارقطنی اور حاکم کے شیخ تھے ان کو ثقہ کہا ہے ۔ انہوں نے امام ابو حنیفہ کی جو مسند لکھی ہے ، محدث خوارزمی نے اس سے جامع المسانید میں حدیثیں نقل کی ہیں ؛

(۵) امام عبد اللہ حارثی المتوفی ۳۴۰ھ ، ان کے متعلق زیادہ تفصیل آگے آئے گی ؛

(۶) حافظ ابن عدی ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی المعروف بابن القطان صاحب کتاب الکامل فی الجرح والتعدیل ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے ۔ اور ۳۶۵ھ میں قضا کی ۔ فن جرح وتعدیل میں ان کا بڑا شہرہ ہے ۔ حدیث میں امام نسائی ، اور ابو یعلی موصلی کے شاگرد ہیں ملک معظم عیسی بن ابی بکر ایوبی نے السہم المصیب فی کبد الخطیب میں لکھا ہے کہ حافظ ابن عدی نے اپنی کتاب مسند ابی حنیفہ کے دیباچہ میں امام ممدوح کے مناقب بھی لکھے ہیں [۱] ؛

(۷) حافظ محمد بن المظفر ابو الحسین البغدادی ، ۲۸۶ھ میں پیدا ہوئے ۔ ۳۰۰ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا ۔ جبکہ ان کی عمر چودہ سال کی تھی ۔ طلب حدیث میں مصر و شام اور جزیرہ وعراق کو پے سپر کیا ۔ امام محمد بن جریر طبری بھی ان کے اساتذہ میں شامل ہیں ۔ دارقطنی ، ابن شاہین ، برقانی ، اور ابو نعیم اصفہانی وغیرہ بڑے بڑے اکابر محدثین نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ۔ دارقطنی نے ان سے ہزاروں حدیثیں سنی ہیں ۔ وہ ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے ۔ اور کبھی ان کی موجودگی میں سہارے سے نہیں بیٹھے ۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے الحافظ الامام الثقة محدث العراق ۔ آگے چل کر تصریح کی ہے کہ :-

جمع والف وعن مطابق هذا الفن لم يتخلف ۔	انہوں نے حدیثیں جمع کیں ، کتابیں تالیف کیں اور اس فن کے اصول سے تجاوز نہیں کیا ۔

[۱] تذکرۃ الحفاظ ، ذہبی میں امام نسائی کا ترجمہ دیکھو ؛ [۲] ملاحظہ ہو کتاب مذکور طبع دیوبند ۔ صفحہ ۱۰۵ ؛

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ:-
"انہوں نے جو مسند ابی حنیفہ لکھی ہے، وہ حافظ ابوبکر بن المقری کی مسند ابی حنیفہ کے برابر ہے، جس میں صرف امام ابوحنیفہؒ کی مرفوع حدیثیں درج ہیں۔ اور وہ امام حارثی کی تصنیف سے چھوٹی ہے۔"
حافظ ابن المظفر کا انتقال ۳۷۹ھ میں ہوا ہے۔

(۸) حافظ طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد ابوالقاسم، ۲۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۸۰ھ میں وفات پائی۔ مشہور محدث ہیں۔ علامہ خوارزمی لکھتے ہیں۔ کان مقدم العدول والثقات الاثبات، حافظ تقی الدین سبکی نے شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام میں ان کی مسند سے ایک حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ وفی مسند الامام ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تصنیف ابی القاسم طلحۃ بن محمد ابن جعفر الشاھد العدل حدثنی الخ[1]۔ محدث خوارزمی نے ان کی مسند کے متعلق لکھا ہے کہ وہ حروف معجم پر مرتب ہے۔

(۹) حافظ ابن المقری ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی الخازن المشہور بابن المقری الاصفہانی، بڑے مشہور مصنف اور اکابر حفاظ میں سے ہیں، فن حدیث میں امام طحاوی کے شاگرد ہیں، اور ان کی مشہور تصنیف شرح معانی الآثار کے ان سے راوی ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے۔ ابن المقری محدث اصبہان الامام الرحال الحافظ الثقۃ۔ ابونعیم اصفہانی کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں محدث کبیر صاحب مسانید سمع مالا یحصی کثرۃ (بڑے محدث ہیں اور مسند حدیثوں کے عالم ہیں، اور اتنی کثرت سے حدیث کا سماع کیا ہے کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا) خود ابن المقری کا بیان ہے کہ میں نے چار مرتبہ طلب حدیث میں مشرق و مغرب کو پے سپر کیا ہے۔ ماہ شوال ۳۸۱ھ میں چھیانوے سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ:-
وقد صنف مسند ابی حنیفۃ۔ انہوں نے امام ابوحنیفہ کی مسند تصنیف کی ہے۔
اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ "ان کی تصنیف حارثی کی تصنیف سے چھوٹی ہے۔ اور صرف امام ابوحنیفہ کی مرفوع روایات پر مشتمل ہے۔" حافظ سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ[2] میں یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ زین الدین قاسم بن قطلوبغا نے ابن المقری کی مسند ابی حنیفہ کے رجال کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ حافظ قاسم نے اس مسند کی احادیث کو ابواب فقہیہ پر بھی مرتب کیا ہے۔

(۱۰) حافظ ابن شاہین ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان البغدادی الواعظ المعروف بابن شاہین ۲۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔ بڑے صاحب تصانیف تھے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے تین سو تیس کتابیں لکھی ہیں جن میں تفسیر کبیر کے

[1] شفاء السقام ذکر ص ۵۵ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۱۵ھ؛ [2] الاعلان بالتوبیخ ص ۱۱۱ طبع دمشق

ایک ہزار ہسند کے تیرہ سو، تاریخ کے ڈیڑھ سو، اور زہد کے سو جزو ہیں ۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں شروع کیا ہے ۔ ابن شاهین الحافظ المفيد المكثر محدث العراق صاحب التصانيف، انہوں نے امام ابوحنیفہ کی جو مسند لکھی ہے، اس کا ذکر محدث کوثری نے تانیب الخطیب[1] میں کیا ہے ۔ راقم الحروف نے مولانا ابوالوفا افغانی صدر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن سے اس سلسلہ میں مراجعت کی، تو مولانا ممدوح نے اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۱۵ رمضان المبارک سنہ ۱۳۷۱ھ میں تحریر فرمایا کہ :-

"مسانید امام کے متعلق میں نے حضرت مولانا کوثری صاحب سے دریافت کیا تو تحریر فرمایا کہ ایک یائی عالم نے ایک جزء میں خطیب کی ان کتابوں کو جمع کیا ہے، کہ جس وقت ان کا دمشق ورود ہوا تھا، تو ان کے ساتھ تھیں، منجملہ ان کے مسند امام للدارقطنی، ولابن شاہین، وللخطیب ہر سہ کتابیں تھیں، وہ جزء کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے ۔ اس کا نام ہے تسمية ماورد به الخطيب دمشق للمالكي (فہرست حدیث ۳۰۹ قسم الفہارس) اس میں مذکور ہے کہ (۴۷۴) کتابیں ان کے ہمراہ تھیں، منجملہ ان کے (۴۶) خود ان کی تصانیف تھیں ۔ یہ سب عمدہ کتابیں حدیث و تاریخ کی تھیں"[2] ۔

(۱۱) حافظ دارقطنی

ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی، مشہور محدث ہیں، ان کی کتاب السنن طبع ہو گئی ہے ۔ سنہ ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور ذی قعدہ سنہ ۳۸۵ھ میں وفات پائی ۔ دارقطنی نے امام ابوحنیفہ کی جو مسند لکھی ہے اس کے متعلق ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ محدث خطیب بغدادی کے پاس اس کا نسخہ موجود تھا ۔

(۱۲) حافظ ابونعیم اصفہانی

احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق المہرانی الصوفی، بڑے مشہور محدث اور مصنف ہیں ۔ سنہ ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے صغرسنی ہی میں سارے دنیا کے مشائخ حدیث سے روایت حدیث کی اجازت مل چکی تھی ۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ تهيأ له من لقى الكبار ما لم يقع لحافظ (بڑے بڑے لوگوں سے جس قدر ان کو

---

[1] ملاحظہ ہو تانیب ص ۱۵۶ ۔ [2] بعد کو مولانا ابوالوفا افغانی مدظلہ نے ۲ ربیع الثانی سنہ ۱۳۷۱ھ کو جو مکتوب راقم کے نام ارسال فرمایا، اس میں مولانا کوثری علیہ الرحمہ کے انتقال پر ملال پر اظہار افسوس کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :-

"حقیقت میں مولانا کوثری کی وفات سے ہم سب یتیم ہو گئے ۔ ایسی ہستیاں قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں ۔ اگر وہ بیمار نہ ہوتے، اور ان کی کتابیں دریا میں غرق نہ ہو جاتیں تو اتنا لکھتے کہ مطالعہ کرنے والے عاجز ہوتے، اس بیماری ہی میں انہوں نے اتنا لکھا ہے ۔

ہاں یاد آیا کہ اخیر تحریر ان کی جو کہ شیخ رضوان کے قلم سے ۷ شوال سنہ ۷۱ھ کو وصول ہوئی اس میں آپ کے ایک استفسار کا جواب مکرر ہے، اور دوسرا سوال ویسا ہی رہ گیا ہے ۔ اسے میں یہاں بعینہ نقل کرتا ہوں، الخطيب حيثما انتقل من بغداد الى دمشق حمل معه كتبا، فهرس لها (باقی بر صفحہ)

ملاقات میسر ہوئی، کسی حافظ حدیث کو نہ ہو سکی)۔ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے۔ ابونعیم الحافظ الکبیر محدث العصر۔ ابونعیم نے محرم ۴۳۰ھ میں وفات پائی۔

حافظ ابونعیم کی مسند ابی حنیفہ کا عکس مجلس احیاء المعارف النعمانیہ نے حاصل کر لیا ہے اور مجلس کا ارادہ اس کو طبع کرا کر شائع کرنے کا ہے۔ مولانا ابوالوفا افغانی مدظلہ اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۲ ربیع الثانی ۷۲ھ میں راقم کو لکھتے ہیں کہ:۔

"ابونعیم نے چھوٹی سی مسند امام صاحبؒ کی لکھی مگر بہت عمدہ لکھی، بڑی تحقیق کی، متابعات ذکر کئے، تفرد کو بتایا۔ رواۃ کے اوہام کو بھی بتایا، مگر کتاب کا صرف ایک ہی نسخہ ہے اور وہ عمدہ نسخہ نہیں۔ تروک از سہو ناسخ اور اغلاط کتابت اس میں بہت ہیں۔ کہیں کہیں بیاضات بھی ہیں۔"

(۱۳) حافظ ابن القیسرانی

ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی القدسی المعروف بابن القیسرانی ۴۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ماہ ربیع الاول ۵۰۷ھ کو وفات پائی۔ بہت بڑے حافظ حدیث گزرے ہیں۔ طلب حدیث میں اتنے پھرے کہ دو مرتبہ پیشاب سے خون آنے لگا۔ یہ برہنہ پا بغیر سواری کے سفر کرنے کا نتیجہ تھا۔

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا بڑا مبسوط ترجمہ لکھا ہے۔ جو ان لفظوں میں شروع ہوتا ہے۔ محمد بن طاہر بن علی الحافظ العالم المکثر الجوال۔ حافظ ابن شیرویہ کے تاریخ ہمدان میں ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:۔ کان ثقۃ حافظا عالما بالصحیح والسقیم حسن المعرفۃ بالرجال والمتون، کثیر التصانیف، یعنی یہ ثقہ تھے، حافظ حدیث تھے

(بقیہ حاشیہ) احد المالکیۃ من اصحابہ، وھذا الفہرس محفوظ بظاہریۃ دمشق، ومن جملۃ ما حملہ الی دمشق مسند ابی حنیفۃ للدارقطنی، ومسند ابی حنیفۃ لابن شاہین، واما مسند ابی حنیفۃ للخطیب فسبق قلم علی ان احادیث ابی حنیفۃ عند الخطیب فی تاریخہ، والفقیہ والمتفقہ لا تقل عن صغار المسانید واسم الفہرس مسجل فی الفہرس الجدید للظاہریۃ (یعنی خطیب جب بغداد سے دمشق منتقل ہوئے، تو اپنے ساتھ بہت سی کتابیں لائے، جن کی ان کے تلامذہ میں سے ایک مالکی عالم نے فہرست بنائی، یہ فہرست دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں محفوظ ہے، خطیب جن کتابوں کو دمشق لے کر آئے، ان میں مسند ابی حنیفہ مؤلفہ دارقطنی اور مسند ابی حنیفہ مؤلفہ ابن شاہین بھی تھیں۔ لیکن خطیب کی مسند ابی حنیفہ کا ذکر سبقت قلم کا نتیجہ ہے (یعنی جلدی میں قلم سے نکل گیا جو صحیح نہیں ہے) تاہم خطیب کے یہاں ابوحنیفہ رح کی جو احادیث ان کی تاریخ اور الفقیہ والمتفقہ میں مذکور ہیں، وہ بھی چھوٹی مسندوں سے کم نہیں۔ اور اس فہرست کا نام ظاہریہ کی جدید فہرست میں درج ہے)۔ اس کے قبل جو انہوں نے لکھوایا تھا۔ اس میں خطیب کی مسند کے متعلق سبق قلم کا ذکر نہیں کیا تھا۔"

صحیح و غیر صحیح کے عالم تھے، رجال و متون حدیث کی بڑی معرفت رکھتے تھے۔ کثیر التصانیف تھے انہوں نے اطراف احادیث ابی حنیفہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کا ذکر انکی مشہور تصنیف الجمع بین رجال الصحیحین کے آخر میں جوان کا مفصل تذکرہ چھپا ہے، اس میں موجود ہے "اطراف" پر جو کتابیں لکھی جاتی ہیں، ان میں متن حدیث کے ابتدائی ٹکڑے کو مع سند کے بیان کرتے ہیں۔ اس لئے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں امام ابو حنیفہ کی مختلف مسانید سے ان کی حدیثوں کے اطراف کو لے کر جمع کر دیا ہے۔

(۱۴) حافظ ابن خسرو

ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی نزیل بغداد، المتوفی ۵۲۲ھ بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں فن حدیث میں حافظ ابن عساکر کو آپ سے تلمذ حاصل ہے۔

حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔ محدث مکثر۔ حافظ ابن النجار نے تاریخ بغداد پر جو ذیل لکھا ہے اس میں ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے:۔ ابو عبد اللہ السمسار الحنفی مفید اھل بغداد فی وقتہ سمع الکثیر۔ پھر ان کے شیوخ کی نام بنام تفصیل دے کر لکھتے ہیں۔ وبالغ فی الطلب حتی سمع من طبقۃ دون ھؤلاء وکتب الکثیر من الکتب لنفسہ ولغیرہ، وکان مفید الغرباء وجمع مسند ابی حنیفۃ (اور انہوں نے طلب حدیث میں بڑی کوشش کی حتی کہ ان شیوخ مذکورین سے جو نیچے کا طبقہ تھا، اس سے بھی حدیثیں سنیں، اور بہت سی کتابیں اپنے لئے اور دوسروں کے لئے لکھیں۔ باہر سے آنے والوں کو افادہ علمی فرماتے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مسند بھی تالیف کی) فقاہت میں بھی ممتاز تھے ابن النجار کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں۔ فقیہ اھل العراق ببغداد فی وقتہ[1]۔

ان کی مسند، امام حارثیؒ اور حافظ ابن المقری کی مسند سے زیادہ ضخیم ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، تعجیل المنفعۃ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

وفی کتابہ زیادات علی ما فی کتابی الحارثی وابن المقری۔	ان کی کتاب میں حارثیؒ اور ابن المقری دونوں کی کتابوں سے زیادہ روایتیں ہیں۔

حافظ شمس الدین ابو المحاسن محمد بن علی حسینی المتوفی ۷۶۵ھ نے صحاح ستہ، موطا، مسند شافعی، مسند احمد اور مسند ابی حنیفہ کے رجال کے حالات میں ایک بڑی مبسوط کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے۔ التذکرہ برجال العشرہ، اس سلسلہ میں حافظ حسینی نے امام ابو حنیفہ کی تمام مسانید میں جس مسند کا انتخاب کیا، وہ حافظ ابن خسرو کی مسند ہے۔

---

[1] الجواہر المضیہ اور جامع المسانید میں ان کا تذکرہ دیکھو۔

[2] مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔

(۱۵) مسند الدنیا

قاضی ابوبکر محمد بن عبد الباقی بن محمد الانصاری الحنبلی البزار المعروف بقاضی المرستان۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں شیخ الاسلام ابو القاسم اسمٰعیل اصفہانی کے تذکرہ میں ۵۳۵ھ کی وفیات کے ذیل میں ان کا ذکر ان ہی لفظوں میں کیا ہے۔ طبقات الحنابلہ میں ان کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔ یہ بڑے مشہور محدث تھے ترانوے سال کی عمر تک ان کے حواس میں ذرا تغیر نہیں ہوا تھا۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اپنی عمر کی ایک گھڑی بھی لہو ولعب میں گزاری ہو۔ بہت سے علوم کے جامع تھے۔ ان کا سال ولادت ۴۴۲ھ ہے۔ اور چورانوے سال کی عمر میں رجب ۵۳۵ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں حافظ ابن خسرو کے تذکرہ میں اس امر کے ماننے سے انکار کیا ہے کہ قاضی صاحب موصوف نے امام ابوحنیفہؒ کی کوئی مسند تالیف کی ہے۔ حالانکہ خود ان کے نامور شاگرد حافظ شمس الدین سخاوی۔ قاضی صاحب موصوف سے ان کی مسند کو بسند ذیل روایت کرتے ہیں:۔

عن الظاہری عن المید ومی عن النجیب عن ابن الجوزی عن جامع المسند قاضی المرستان[۱]۔ اور حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں نصر بن سیار بن صاعد کے تذکرہ میں حافظ سمعانی سے نقل کیا ہے کہ:۔

"میں نے نصر سے امام ابوحنیفہ کی کتاب الاحادیث کا سماع کیا جس کو عبد اللہ بن محمد انصاری نے جمع کیا ہے۔ نصر اس کتاب کی روایت اپنے دادا صاعد سے کرتے ہیں۔ اور صاعد خود قاضی صاحب موصوف سے[۲]"۔

محدث خوارزمی نے بھی جامع المسانید میں اس کتاب کی متعدد سندیں اپنے سے لے کر قاضی مرستان تک ذکر کی ہیں۔

(۱۶) حافظ ابن عساکر

ثقۃ الدین ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ الدمشقی الشافعی نہایت مشہور مصنف اور نامور محدث ہیں۔ ۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ار رجب ۵۷۱ھ میں وفات پائی۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے۔ ابن عساکر الامام الحافظ الکبیر محدث الشام فخر الائمۃ۔ صاحب التصانیف والکتب۔ تیرہ سو شیوخ سے علم حدیث کی تحصیل کی جن میں اسی سے زیادہ محدث خواتین بھی داخل ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ نہایت

---

[۱] ملاحظہ ہو تقدمہ نصب الرایہ از محدث کوثری۔

[۲] الجواہر المضیہ کی اصل عبارت یہ ہے۔ سمعت منہ الترمذی بروایتہ عن القاضی ابی عامد الجراحی عن المحبوبی عنہ، وکتاب الاحادیث التی رواہا ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ جمع عبد اللہ بن محمد الانصاری لجدہ القاضی صاعد بروایتہ عنہ۔

بسط کے ساتھ کیا ہے۔ حافظ ابن عساکر نے امام ابوحنیفہ کی جو مسند تالیف کی ہے، اس کا ذکر محدث کوثری اور ڈاکٹر کرد علی نے کیا ہے[1]۔

(۱۷) محدث عیسی الجعفری المغربی برآمد محدثین متاخرین میں سے ہیں سنہ ۱۰۸۰ھ میں رحلت فرمائی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے انسان العین فی مشائخ الحرمین میں ان کا تذکرہ لکھا ہے، فرماتے ہیں:-

"یکے از علماء متقنین بود، و وے استاد جمہور اہل حرمین است، و یکے از اوعیہ حدیث۔"

محدث عیسی باوجودیکہ دور آخر کی پیداوار ہیں۔ اور ان کا زمانہ بہت ہی بعد کا ہے تاہم جس شان کی انہوں نے امام ابوحنیفہ کی مسند تالیف کی، اور جن شروط کا اس میں اہتمام کیا۔ وہ خود شاہ صاحب موصوف ہی کی زبانی سننے کے لائق ہے، فرماتے ہیں:-

"مسندے برائے امام ابوحنیفہؒ تالیف کردہ در آنجا عنعنہ متصلہ ذکر کردہ در حدیث، از انجا بطلان زعم کسانیکہ گویند سلسلہ حدیث امروز متصل نماندہ واضح ترے گردد۔"[2]

انہوں نے امام ابوحنیفہ کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے، کہ جس میں اپنے سے لیکر امام موصوف تک حدیث کے اتصال سند کو بیان کیا ہے، اور یہاں سے ان لوگوں کے دعوی کا باطل ہونا خوب ظاہر ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا سلسلہ آج کل متصل نہیں رہا ہے۔

یہ ان مشاہیر ائمہ محدثین کا ذکر تھا، کہ جن میں سے ہر ایک نے امام ابوحنیفہؒ کی احادیث کو مستقل تصانیف میں اپنی اسانید کے ساتھ جمع کیا۔ بعد کو قاضی القضاۃ محدث ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی[3] المتوفی سنہ ۶۵۵ھ نے جامع مسانید الامام الاعظم میں امام ابوحنیفہ کی مسانید کے پندرہ نسخوں کو یکجا جمع کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ جامع مسانید کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:-

"میں نے شام میں بعض جاہلوں کو یہ کہتے سنا، کہ امام ابوحنیفہؒ کی کوئی مسند نہیں، اور وہ صرف معدودے چند حدیثوں کے راوی ہیں، اس پر مجھ کو حمیت مذہبی کا جوش ہوا، اور میں نے یہ چاہا، کہ امام ممدوح کی ان پندرہ مسانید کو

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام الاشعری لابن عساکر، از محدث کوثری و مقدمہ، تاریخ دمشق لابن عساکر از ڈاکٹر کرد علی۔

[2] انسان العین طبع دہلی ص۱۰۔

[3] حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیئہ میں، اور مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی نے الفوائد البہیہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔

جنہیں نامور علماء محدثین نے مرتب کیا ہے، یکجا جمع کردوں۔ یہ مسانید حسب ذیل ہیں :۔

(۱) مسند امام حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبداللہ الاستاذ۔

(۲) مسند امام حافظ ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔

(۳) مسند امام حافظ ابو الحسین محمد بن المظفر۔

(۴) مسند امام حافظ ابو نعیم اصفہانی۔

(۵) مسند امام ابو بکر محمد بن عبد الباقی انصاری۔

(۶) مسند حافظ ابو احمد عبداللہ بن عدی جرجانی۔

(۷) مسند امام حسن بن زیاد لؤلؤی۔

(۸) مسند حافظ عمر بن الحسن اشنانی۔

(۹) مسند حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن خالد بن خلی الکلاعی۔

(۱۰) مسند امام حافظ ابو عبداللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخی۔

(۱۱) مسند امام ابو یوسف قاضی جو نسخہ ابی یوسف سے موسوم ہے۔

(۱۲) مسند امام محمد بن الحسن الشیبانی۔ یہ بھی نسخہ محمد سے موسوم ہے۔

(۱۳) مسند امام حماد بن ابی حنیفہ۔

(۱۴) مسند امام محمد جو الآثار سے موسوم ہے۔

(۱۵) مسند امام حافظ ابو القاسم عبداللہ بن ابی العوام السعدی۔

محدث خوارزمی نے امام حماد، امام ابو یوسف اور امام محمد نے حدیث کے جن مجموعوں کی امام ابو حنیفہ ؒ سے روایت کی ہے، ان کو بھی مسند ہی کے نام سے ذکر کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ سب کتاب الآثار کے نسخے ہیں[1] اسی طرح حافظ ابو بکر کلاعی کی مسند بھی کوئی علیحدہ کتاب نہیں، بلکہ وہی کتاب الآثار کا نسخہ ہے، جس کو وہ اپنے جد محمد بن خالد وہبی المتوفی قبل سنہ ۱۹۰ھ سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ خود محدث خوارزمی نے بھی جامع مسانید کے آخری باب میں جہاں ابو بکر کلاعی کا تذکرہ لکھا ہے۔ تصریح کر دی ہے کہ "گو یہ مسند، احمد بن محمد بن خالد بن خلی کی طرف منسوب ہے لیکن اس کے جامع محمد بن خالد وہبی ہیں، جو براہ راست اس کو امام ابو حنیفہ ؒ سے روایت کرتے ہیں۔ لہذا اس مسند کا انتساب ابو بکر کلاعی کی طرف محض روایت کے لحاظ سے ہے، جمع و تدوین

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔ ہمارا مقالہ کتاب الآثار امام ابو حنیفہ ؒ جو کتاب الآثار بروایت امام محمد کے اردو ترجمہ کے ساتھ اس کے مقدمہ کے طور پر محمد سعید اینڈ سنز کراچی نے شائع کیا ہے۔

کے لحاظ سے نہیں"۔ خوارزمی کی جامع مسانید کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی بستان المحدثین میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

"مسند امام اعظمؒ کہ بالفعل مشہور است تالیف قاضی القضاۃ ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی است کہ در سنہ ششصد و ہفتاد و چہار آنرا رائج ساختہ، مسانید امام اعظمؒ کہ علماء سابق پرداختہ بودند دریں مسند جمع کردہ بزعم خود ہیچ چیزے را از مرویات امام اعظمؒ ترک نکردہ و قبل از وے ہر چند مسانید بسیار برائے مرویات امام اعظمؒ ساختہ بودند، چنانچہ خود در خطبۂ ایں مسند نام آنہا و مصنفین آنہا و سند خود بآں مصنفین بیان نمودہ، امّا بیشتر رائج و مشہور دو مسند بود و تا حال موجود و متداول ست، اول مسند حافظ الحدیث عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی، دوم مسند حافظ الوقت حسین بن محمد بن خسرو رحمۃ اللہ علیہ، چنانچہ اجازت ایں ہر سہ مسند براقم الحروف نیز از شیوخ خود رسیدہ ۔

مسند امام اعظم کہ جو بالفعل مشہور ہے قاضی القضاۃ ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی کی تالیف ہے، جس کو انہوں نے سنہ ۶۷۴ھ میں رواج دیا ہے[1]۔ امام اعظمؒ کی جن مسندوں کو اگلے علماء نے تالیف کیا تھا۔ اس مسند میں ان کو جمع کر دیا ہے اور اپنے خیال میں امام اعظمؒ کی مرویات میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے۔ ان سے پہلے بھی اگرچہ بہت سی مسندیں امام اعظمؒ کی مرویات کے سلسلہ میں لکھی گئی ہیں چنانچہ خود خوارزمی نے اس مسند کے دیباچہ میں ان کے نام اور ان کے مصنفین کے نام اور ان کے مصنفین تک اپنی سند کو بیان کیا ہے لیکن ان میں زیادہ تر مشہور اور رائج دو مسندیں رہی ہیں جو تا حال موجود و متداول ہیں۔ اول مسند حافظ الحدیث عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی۔ دوم مسند حافظ الوقت حسین بن محمد بن خسرو رحمۃ اللہ علیہ، چنانچہ ان تینوں مسندوں کی اجازت راقم الحروف (یعنی شاہ صاحب) کو بھی اپنے اساتذہ سے پہنچی ہے ۔

لیکن یہ صحیح نہیں کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کی جملہ مرویات کو اس مسند میں جمع کر دیا ہے، کیونکہ امام ممدوح کی احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار ہے، چنانچہ امام حسن بن زیاد لؤلؤی فرماتے ہیں، کہ :-

کان ابو حنیفۃ یروی اربعۃ

امام ابوحنیفہ چار ہزار حدیثیں روایت

---

[1] یہ صحیح نہیں، کیونکہ محدث خوارزمی کی وفات اس سے انیس ۱۹ سال قبل ۶۵۵ھ میں ہو چکی تھی ۔

الا في حديث الذين حدثاد و کیا کرتے تھے، دو ہزار حماد سے اور دو ہزار
الفين لسائر المشيخة له . بقیہ شیوخ سے ۔

اور خوارزمی کی جامع مسانید میں اس سے آدھی حدیثیں بھی موجود نہیں، بلکہ جیسا کہ مولانا ابوالوفا افغانی نے کتاب الآثار امام ابو یوسف کے مقدمہ میں صراحت کی ہے :-

بل لم يستوعب جميع آثار المسانيد التي قال انه جمعها كما تتبعته وقابلته على كتاب الآثار للامام محمد ومسند الحارثي ۔	خوارزمی نے ان سندوں کی سب حدیثوں کو بھی نہیں لیا۔ جن کے جمع کرنے کے متعلق انہوں نے کہا تھا۔ جیسا کہ میں نے کتاب الآثار امام محمد اور مسند حارثی کا تتبع کر کے اور ان سے مقابلہ کر کے پتہ چلایا ہے ۔

اور اپنے مکتوب گرامی میں جو راقم کے نام ۲ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ کو لکھا ہے، فرماتے ہیں:

"امام حسن (بن زیاد) کی کتاب الآثار کو تو ابن خسرو نے اپنی مسند میں پورا محفوظ کر لیا ہے۔ اور جامع المسانید نے بھی، جیسے محمد بن خالد وہبی کی کتاب الآثار کو کلاعی نے محفوظ کر لیا ہے اپنی تخریج سے، اور جامع المسانید میں خوارزمی نے آٹھ دس مسندوں کی حفاظت تو کی مگر افسوس کہ کتاب الآثار للامام ابی یوسف اور مسند ابی نعیم اصفہانی، اور مسند ابن عدی اور مسند حافظ ابن ابی العوام کی حفاظت نہیں کی۔ نہ معلوم اس کے کیا اسباب تھے، سندیں تو سب کی ابتداء میں ذکر کیں مگر کتاب میں آثار امام ابی یوسف کا تو کہیں بھی حوالہ نہیں، باقی مسانید کا کہیں کہیں برائے نام حوالہ ہے، اکثر جگہ متروک، اس لئے جامع ناقص کتاب ہے، باب المشائخ تو بالکل ناقص ہے، اور اس میں غلطیاں بھی ہیں۔ اگر مسند ابی نعیم کو بالاستیعاب ذکر کرتے، تو آج ہمیں بڑی سہولت اس کی تصحیح میں ہوتی ۔"

تاہم خوارزمی کی جامع المسانید میں چونکہ امام ابو حنیفہ رح کی متعدد مسانید کی بیشتر روایتیں موجود ہیں اس لئے متاخرین میں اس کتاب کو بڑی شہرت نصیب ہوئی۔ حافظ زین الدین قاسم بن قطلوبغا حنفی المتوفی ۸۷۹ھ نے اس پر ایک نہایت ضخیم شرح دو جلدوں میں لکھی۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے عقود الجواہر المنیفہ میں حافظ قاسم کی اس شرح سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے، حافظ جلال الدین سیوطی شافعی المتوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس کی شرح لکھی ہے۔ جس کا نام ہے التعلیقة المنیفة علی مسند ابی حنیفة متعدد محدثین نے جامع المسانید کا اختصار بھی کیا ہے، چنانچہ

لہ مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ موفق بن احمد مکی، ج۱- ص ۹۶- طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد، دکن ۔

امام شرف الدین اسماعیل بن عیسٰی بن دولہ الاوغانی المکی المتوفی سنہ ۸۹۲ھ کے اختصار کا نام ہے۔ اختیار اعتماد المسانید فی اختصار اسماء بعض رجال الاسانید۔ اس کتاب کی ابتداء میں امام ابوحنیفہ کے مناقب بھی بیان کئے ہیں۔ امام ابو البقاء احمد بن ابی الضیاء محمد القرشی المکی نے اس کا جو مختصر لکھا ہے، اس کا نام المستند فی مختصر المسند ہے اس میں مکررات کو اور ان اسانید کو حذف کر دیا ہے کہ جو مصنف کتاب سے لیکر امام ابوحنیفہ تک مذکور تھیں تیسرا مختصر شیخ ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم حنفی نے لکھا ہے۔ کشف الظنون میں اس کے ایک اور اختصار کا بھی ذکر ہے، لیکن اس کے مؤلف کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ جامع المسانید میں صحاح ستہ سے جو روایتیں زائد تھیں، ان کو علامہ حافظ الدین محمد بن محمد کردری المعروف بالبزازی المتوفی سنہ ۸۲۷ھ نے زوائد مسند ابی حنیفہ کے نام سے الگ جمع کیا۔ صاحب کشف الظنون نے محدث ابوحفص زین الدین عمر بن احمد الشماع الحلبی الشافعی المتوفی سنہ ۹۳۶ھ کی ایک تصنیف، لقط المرجان من مسند ابی حنیفہ النعمان کا بھی ذکر کیا ہے جو غالبًا مسند خوارزمی ہی کا التقاط و ملخص ہے، بعد کے دور میں علامہ محدث سید مرتضٰے زبیدی حنفی المتوفی سنہ ۱۲۰۵ھ نے جامع مسانید سے امام اعظمؒ کی ان احادیث احکام کا انتخاب کیا۔ کہ جن کی روایت میں مصنفین صحاح ستہ بھی امام صاحب کے شریک ہیں، یہ بڑے کام کی کتاب ہے۔ جو باریک ٹائپ کی دو جلدوں میں مصر سے طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے۔ اس میں مؤلف نے ہر باب میں پہلے امام اعظمؒ کی روایت جس سند میں وہ مروی ہے۔ اس کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ پھر صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں جن الفاظ کے ساتھ وہ روایت آئی ہے، ان کو نقل کیا ہے۔ اس کتاب کا نام ہے۔ عقود الجواہر المنیفۃ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفۃ فیما وافق فیہ الائمۃ الستۃ او بعضہم۔ اس کی ترتیب ابواب فقہ پر ہے، پہلے اعتقادیات کا بیان ہے اور پھر عملیات کا۔

خوارزمی کی جامع المسانید عرصہ ہوا کہ مطبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے دو ضخیم جلدوں میں طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہ کے تقریبًا پانچ سو شاگردوں کی وہ روایات درج ہیں جو انہوں نے براہ راست امام ممدوح سے سنی ہیں[1]۔

افسوس ہے کہ جامع مسانید کے علاوہ امام ابوحنیفہ کی اور مسندیں جو اکابر محدثین نے مستقل طور پر مرتب کی تھیں اور جن کا ذکر سابق میں گزر چکا ہے۔ ان میں سے اب تک کوئی کتاب طبع نہ ہوسکی۔ مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن میں ان مسانید میں سے حسب ذیل چار مسندوں کے عکوس موجود ہیں:۔

(۱) مسند ابن ابی العوام، (۲) مسند حارثی۔ (۳) مسند ابی نعیم اصفہانی (۴) مسند ابن خسرو۔

[1] ملاحظہ ہو جامع المسانید کا باب چہلم۔

مجلس مذکور کا ارادہ ان تمام مسانید کو طبع کرا کر شائع کرنے کا ہے، دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کام کو جلد سرانجام فرمائے۔

اس وقت جس کتاب کا ترجمہ "مسند امام اعظم" کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ درحقیقت امام عبداللہ حارثی کی تالیف ہے۔ جس کا اختصار علامہ حصکفی نے کیا ہے، اور ملا عابد سندی نے اس کی ابواب فقہیہ پر ترتیب کی ہے[1]۔

امام حارثی

مشاہیر ائمہ احناف میں سے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ الانتباہ میں ان کو "اصحاب الوجوہ" میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں فقہائے حنفیہ کا مرجع تھے۔ "اصحاب الوجوہ" کا درجہ "مجتہد فی المذہب" اور "مجتہد مطلق منتسب" کے درمیان ہے۔ فقہ کی تحصیل آپ نے امام ابوحفص صغیر سے کی تھی۔ اور انہوں نے اپنے والد ماجد امام ابوحفص کبیر سے جو امام محمدؒ کے مشاہیر تلامذہ میں سے ہیں۔ طلب حدیث میں امام حارثی نے خراسان، عراق اور حجاز کو پے سپر کیا تھا، اور بہت سے شیوخ وقت سے اس فن کی تحصیل کی تھی۔ حافظ سمعانی، کتاب الانساب میں لکھتے ہیں۔ رحل الی خراسان والعراق والحجاز وادرك الشيوخ، علم حدیث میں ان کی وسعت نظر اور معرفت فن کا بڑے بڑے محدثین نے اعتراف کیا ہے۔ حافظ خلیلی فرماتے ہیں۔ یعرف بالاستاذ له معرفة بهذا الشان" (استاذ مشہور ہیں، اور اس فن کی انہیں معرفت حاصل ہے)۔ اور حافظ سمعانی لکھتے ہیں۔ کان شیخا مکثرا من الحدیث (بڑے کثیر الحدیث شیخ تھے) فن رجال کے مشہور امام حافظ شمس الدین ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں قاسم بن اصبغ کے ترجمہ میں بضمن وفیات سنہ ۳۴۰ھ ان کا ذکر ان شاندار الفاظ میں کیا ہے:۔

وفيها مات عالم ما وراء النهر ومحدثه الامام العلامة ابو محمد عبد الله بن محمد بن يعقوب بن الحارث الحارثي البخاری الملقب بالاستاذ جمع مسند ابی حنيفةؒ الامام وله اثنتان وثمانون سنة۔

اور اسی سال میں ماوراء النہر کے عالم اور محدث امام علامہ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری نے کہ جو "الاستاذ" کے لقب سے ملقب ہیں۔ اور جنہوں نے امام ابوحنیفہ کی مسند کو جمع کیا ہے، بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ میں ان کو حافظ حدیث تسلیم کیا ہے۔ بڑے بڑے حفاظ حدیث، جیسے حافظ ابن مندہ، حافظ ابن عقدہ، اور حافظ ابوبکر جعابی فن حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ کتاب الآثار للامام ابی یوسف از مولانا ابوالوفا افغانی۔

حافظ حارثی کی مسند کس شان کی ہے، اس کے متعلق محدث خوارزمی، جامع مسانید میں رقمطراز ہیں :-

ومن طالع مسنده الذی جمعه للامام ابی حنیفة علم تبحره فی علم الحدیث واحاطته بمعرفة الطرق والمتون ؎

"اور جو شخص بھی ان کی اس مسند کا مطالعہ کرے گا، کہ جس میں انہوں نے امام ابوحنیفہ کی مرویات کو جمع کیا ہے، وہ علم حدیث میں ان کے تبحر اور طرق اسانید و متون پر ان کی نظر کی ہمہ گیری کا قائل ہو جائے گا"

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ :-

وقد اعتنی الحافظ ابو محمد الحارثی وکان بعد الثلاثمائة بحدیث ابی حنیفةؒ فجمعه فی مجلدة ورتبه علی شیوخ ابی حنیفةؒ ؎

حافظ ابو محمد حارثی نے جو سنہ ۳۰۰ھ کے بعد تھے امام ابوحنیفہؒ کی احادیث سے اعتنا کیا اور ان کو ایک جلد میں جمع کر دیا۔ انہوں نے ان حدیثوں کی ترتیب امام ابوحنیفہؒ کے شیوخ پر رکھی ہے (یعنی امام صاحبؒ کے ہر شیخ کی جملہ حدیثیں یکجا کر دی ہیں)"؎

امام حارثی کی مسند کا اختصار حسب ذیل حضرات نے کیا ہے، اس اختصار میں امام ابوحنیفہؒ سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جو حدیث کی اسناد تھی، اس کو تو بعینہٖ ذکر کیا گیا ہے لیکن حارثی سے لے کر امام صاحبؒ تک جو اسانید تھیں، ان کو حذف کر دیا ہے :-

(۱) امام علامہ قاضی صدر الدین موسیٰ بن زکریا الحصکفی، ان کی ولادت سنہ ۵۸۰ھ یا سنہ ۵۸۱ھ میں ہوئی ہے۔ اور سنہ وفات سنہ ۶۵۰ھ ہے۔ مشہور محدث تھے۔ قاہرہ اور حلب میں حدیث کا درس دیا۔ حافظ دمیاطی کو فن حدیث میں ان سے تلمذ ہے۔ دمیاطی نے اپنی معجم میں ان کا تذکرہ بھی لکھا ہے۔ حافظ عبدالقادر قرشی بھی بیک واسطہ ان کے شاگرد ہیں۔ ان کا اختصار مسند ابی حنیفہ للحصکفی کے نام سے مشہور ہے۔ محدث ملا علی قاری حنفی المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ نے اسی کی شرح لکھی ہے، جس کا نام ہے "سند الانام فی شرح مسند الامام" مولانا ابو الوفا افغانی بدفیوضہ اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۲۴ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۵ھ میں راقم کو لکھتے ہیں، کہ :-

"مسند امام للحصکفی، مسند حارثی ہی کا خلاصہ ہے، لیکن چونکہ انہوں نے التزام کیا ہے، کہ امام حماد نے جس حدیث کو امام صاحبؒ سے روایت کیا ہے اس روایت کو ضرور اپنی مسند میں لائیں گے۔ اس لئے ایسی حدیثیں جن کی روایت حارثی نے نہیں کی ہو، ان کو ابن خسرو سے لے لیا ہے اور وہ معدودے چند ہیں۔"

(۲) امام علامہ صدر الدین ابو عبداللہ محمد بن عباد الخلاطی الحنفی المتوفی سنہ ۶۵۲ھ۔ بڑے محدث تھے۔ صحیح مسلم کی شرح لکھی۔ حدیث میں جمال الدین حصیری کے شاگرد ہیں، انھوں نے امام ابو حنیفہ کی مسند کا جو اختصار کیا ہے۔ اس کا نام مقصد المسند ہے، صاحب کشف الظنون نے اس کو جامع المسانید کا اختصار بتایا ہے، جو بظاہر صحیح نہیں، ان کی وفات کے وقت خوارزمی بقید حیات موجود تھے، اس لئے قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ جامع مسانید کا نہیں بلکہ مسند حارثی کا اختصار ہے۔

(۳) قاضی القضاۃ محمد بن احمد بن مسعود القونوی الدمشقی المعروف بابن السراج المتوفی سنہ ۷۷۱ھ بڑے مشہور مصنف ہیں۔ بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ الفوائد البہیہ میں ان کا نام محمود بن احمد لکھا ہے۔ ان کا مختصر تیلیثیں (۳۳) ابواب پر مشتمل ہے، اور فقہی ترتیب پر اس کا نام المعتمد فی احادیث المسند ہے، بعد کو خود انھوں نے اس کی شرح بھی لکھی۔ جس کا نام المستند فی شرح المعتمد ہے۔

(۴) راقم الحروف کے پاس بھی مسند امام ابو حنیفہ رح کا ایک قلمی نسخہ ہے، جس کو احمد بن ابراہیم نامی ایک عالم نے سنہ ۱۲۴۳ھ میں جمع کیا ہے۔ اس نسخہ کو قاری محمد صدیق افغانی نے مصر کے کتب خانہ "خدیویہ" سے نقل کیا ہے۔ مولانا ابو الوفا افغانی کو راقم الحروف نے جب یہ نسخہ دکھلایا۔ تو مولانا نے فرمایا۔ کہ یہ مسند ابن خسرو اور مسند حارثیؒ کا اختصار ہے، پہلے اس میں ابن خسرو سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ اور بعد کو حارثی سے، یہ نسخہ ایک سو بانوے صفحات پر مشتمل ہے۔ اور کاپی پر پنسل سے لکھا ہوا ہے۔

حافظ قاسم قطلوبغا نے امام حارثیؒ کی اصل مسند کو ابواب پر مرتب کر دیا تھا۔ بعد کے دور میں خاتمۃ الحفاظ ملا محمد عابد سندھی المتوفی سنہ ۱۲۵۷ھ نے مسند حصکفی کو بھی جو مسند حارثی کی تلخیص ہے، اور اسی کے تتبع میں معجم شیوخ پر مرتب ہے۔ ابواب فقہیہ پر مرتب کیا یہی کتاب آج کل مسند امام اعظمؒ کے نام سے مشہور و متداول ہے۔ عرصہ ہوا۔ کہ مولانا حبیب الرحمن بن مولانا احمد علی سہارنپوری محدث نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ اور جا بجا اس میں مختصر تشریحی اضافے بھی تھے۔ یہ ترجمہ سنہ ۱۳۰۸ھ میں چھپا ہے۔ اب خدا کا شکر ہے کہ پھر دوبارہ یہ کتاب مع اردو ترجمہ اور مفصل شرح کے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو رہی ہے، جو ہمارے اردو داں طبقہ کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ یہ شرح اور ترجمہ ہمارے مخدوم زادے مولانا سعد حسن خاں بن استاذ مرحوم مولانا حیدر حسن خاں محدث ٹونکی[1]، مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء کے قلم کا رہین منت ہے، جو ایک مشہور علمی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں۔ ترجمہ کی خوبی

[1] راقم الحروف نے علم حدیث کی تحصیل مولانا ہی کی خدمت میں دو سال کے قریب دار العلوم ندوۃ العلماء میں رہ کر کی ہے۔ رحمہ اللہ تعالے و رضی عنہ رضی الابرار۔

اور شرح کی افادیت کے لئے مترجم کا نام کافی ضمانت ہے۔

اصل عربی متن پر خود مرتب نے ایک نہایت جامع اور ضخیم شرح تصنیف کی ہے جس کا نام ہے المواہب اللطیفۃ فی الحرم المکی علی مسند ابی حنیفہ للامام الحصکفی، للامحمد عابد سندی، یہ شرح دو بڑی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے کتب خانہ پیر جھنڈو ضلع حیدر آباد سندھ، اور کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں راقم الحروف کی نظر سے گزرے ہیں۔ بلامبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح بخاری کے بعد شروح حدیث میں اس شان کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ متابعات و شواہد، تخریج احادیث ایضاح مشکل، رفع مرسل، وصل منقطع، بیان خلافیات غرضکہ ہر موضوع پر اتنا ذخیرہ اس میں موجود ہے کہ باید و شاید، ان کے بعد مولانا محمد حسن سنبھلی محدث المتوفی ۱۳۰۵ھ نے اس پر ایک نہایت جامع اور مبسوط شرح تصنیف کی جو ۱۳۰۹ھ میں اصح المطابع لکھنؤ سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ محدث سنبھلی کی شرح اپنی جامعیت و افادیت کے لحاظ سے اپنے مشہور معاصر فاضل لکھنوی مولانا محمد عبد الحی فرنگی محل کی شرح موطا امام محمد سے جس کا نام التعلیق الممجد علے موطا الامام محمد ہے، بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔

اسلام میں مسند ابی حنیفہ کا علمی مقام

محدث محمد بن جعفر کتانی مالکی الرسالۃ المستطرفہ لبیان مشہور کتب السنہ المشرفہ میں جو کتب حدیث کے حالات میں ان کی ایک بے مثل تصنیف ہے۔ صحاح ستہ، مسند ابی حنیفہ، موطا مالک، مسند شافعی اور مسند احمد کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد یوں رقمطراز ہیں :۔

فهذه كتب الائمة الاربعة	یہ ائمہ اربعہ کی کتابیں ہیں، اور ان کو پہلے
وباضافتها الى الستة الاولى	کی چھ کتابوں کے ساتھ ملانے سے وہ
تكمل الكتب العشرة التى هى	دس کتابیں پوری ہو جاتی ہیں کہ جو اسلام
اصول الاسلام وعليها مداد	کی بنیادی کتابیں ہیں، اور جن پر دین کا
الدين (ص ۱۶ طبع بیروت ۱۳۳۲ھ)	دارومدار ہے۔

اور حافظ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حمزہ حسینی دمشقی، التذکرہ برجال العشرہ کے مقدمہ میں (جو ان دسوں کتابوں کے رجال کے حالات میں ایک مبسوط کتاب ہے اور جس سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعہ مرتب کی ہے جو ائمہ اربعہ کی مذکورہ تصانیف کے رجال کے حالات میں ان کی مشہور تصنیف ہے) فرماتے ہیں :۔

مسند الشافعى موضوع لادلته	مسند امام شافعی ان ادلہ پر مشتمل ہے کہ جو
على ماصح عنده من مروياته	امام ممدوح کی مرویات میں ان کے نزدیک
وكذالك مسند ابى حنيفة	صحیح ہیں، اور یہی حال مسند امام ابوحنیفہ کا ہے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں مسند ابی حنیفہ کو حنفیوں کی اہمات کتب میں شمار کیا ہے[1] اور تصریح کی ہے کہ:۔

"مسند ابی حنیفہ و آثار امام محمد بنائے فقہ حنفیہ است[2]"	فقہ حنفی کی بنا مسند ابی حنیفہ اور آثار امام محمد پر ہے

حافظ حسینی کی تصریح ابھی آپ کی نظر سے گزری، جس میں انھوں نے اس امر کا صاف اعتراف کیا ہے کہ مسند امام شافعی کی طرح امام ابوحنیفہ کی مسند بھی امام ممدوح کے ان ادلہ پر مشتمل ہے جو امام کی مرویات میں ان کے نزدیک صحیح تھے۔ یہ حسینی حنفی نہیں۔ شافعی ہیں، اور ان کا شمار معمولی محدثین میں نہیں بلکہ حفاظ وقت و ناقدین فن میں ہے[3]۔ اب ایک دوسرے عارف وقت علامہ دہر شافعی المذہب امام کی رائے مسانید امام ابوحنیفہ کی نسبت ملاحظہ فرمائیے، جن کا نام نامی عبدالوہاب شعرانی ہے۔ وہ اپنی مشہور کتاب المیزان الکبریٰ میں فرماتے ہیں:۔

وقد من اللہ تعالیٰ علیّ بمطالعة مسانید الامام ابی حنیفة الثلاثة من نسخة صحیحة علیها خطوط الحفاظ آخرهم الحافظ الدمیاطی، فرأیته لا یروی حدیثا الا عن خیار التابعین العدول الثقات الذین هم من خیر القرون بشهادة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کالاسود و علقمة وعطاء ومجاهد ومکحول والحسن البصری واضرابهم رضی اللہ عنهم اجمعین فکل الرواة الذین هم بینه وبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عدول	مجھ پر اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کی تین مسندوں کا ان کے صحیح نسخوں سے مطالعہ کرنے کی توفیق ملی، ان نسخوں پر حفاظ حدیث کے قلم کی تحریریں تھیں، جن میں آخری شخص حافظ دمیاطی ہیں مطالعہ پر میں نے دیکھا، کہ امام ممدوح صرف ان تابعین کرام سے حدیثیں روایت کرتے ہیں، کہ جو اپنے وقت کے برگزیدہ ترین، عادل اور ثقہ حضرات تھے، اور جو حدیث نبوی کی تصریح کے مطابق خیر القرون کے لوگ تھے، جیسے کہ اسود، علقمہ، عطا، مجاہد، مکحول اور حسن بصری جیسے حضرات ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ سو تمام وہ رواۃ جو امام ابوحنیفہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہیں، سب کے سب عادل،

[1] ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۱۸۵ مطبوعہ مجتبائی دہلی۔ [2] ایضاً ص ۱۷۱۔ [3] ان کی جلالت شان معلوم کرنی ہو تو حافظ ابن فہد، اور حافظ سیوطی نے طبقات الحفاظ ذہبی پر جو ذیل لکھے ہیں، ان میں ان کا تذکرہ دیکھو۔ یہ ذیول، دمشق سے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔

ثقات اعلام اخیار لیس فیهم کذاب ولا متهم بکذب، و ناهیك یا اخی بعد الله من ارتضاهم الامام ابوحنیفة رضی الله عنه لان یأخذ عنهم احکام دینه مع شدة تورعه وتحرزه و شفقته علی الامة المحمدیه (ج-۱ص ۶۲ طبع مصر۔ ۱۳۳۲ھ)	ثقہ، نیک نام اور برگزیدہ ہیں، ان میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ جو کذاب ہو، یا اس پر کذب کی تہمت لگائی گئی ہو، اور میرے بھائی ان کی عدالت کے لئے تمہیں یہ کافی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے باوجود شدت ورع و احتیاط اور امت محمدیہ کا خاص خیال رکھنے کے ان حضرات کو اس غرض کے لیے منتخب فرمایا ہے، کہ ان سے اپنے دینی احکام کو حاصل کریں۔"

اس کے بعد آگے چل کر پھر لکھتے ہیں کہ:۔

کل حدیث وجدناه فی مسانید الامام الثلاثة فهو صحیح (ج-۱ص۶۵)	امام اعظمؒ کی تینوں مسندوں میں ہم نے جو بھی حدیث پائی، وہ صحیح ہے۔"

یہ بھی واضح رہے کہ اس بحث سے پہلے امام شعرانی یہ تصریح کر چکے ہیں، کہ:۔

انی لما اجیب عن الامام ابی حنیفة وغیره بالصدر و احسان الظن کما یفعل ذلك غیری وانما اجیب عنه بعد التتبع والفحص۔ (ج-۱-ص ۶۳)	"میں امام ابوحنیفہ وغیرہ کے متعلق محض وسعت صدر اور حسن ظن کی بنا پر کوئی جواب وہی نہیں کروں گا، جیسا کہ میرے علاوہ دوسرے لوگ کرتے ہیں، بلکہ جو کچھ جواب دوں گا، وہ تتبع اور تلاش کے بعد دوں گا۔"

امام شعرانی کے اس بیان سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسانید امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں انہوں نے جس رائے کا اظہار کیا ہے، وہ پوری تحقیق اور جانچ پڑتال کے بعد کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مقدمہ
کتاب الآثار

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

كتاب الآثار

تأليف

الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي رضي الله عنه المتوفى ١٥٠ھ

رواية

الإمام الرباني أبي عبد الله محمد بن الحسن الشيباني المتوفى ١٨٩ھ رحمة الله عليه المولف

مقدمه وحواشى

لعلامة العصر المحدث الجليل الفقيه النبيل محمد عبد الرشيد النعماني مدظله

ويليه

التعليق الممجد على كتاب الآثار

للمحقق المحدث الفقيه الشيخ محمد عبد الحي اللكنوي الفرنگي محلي المتوفى

ويليه

الإيثار بمعرفة رواة الآثار

للحافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر العسقلاني المتوفى ٨٥٢ھ

الناشر

د/ محمد عبد الرحمن غضنفر

مؤسسه

الرحيم اكيڈمی

١/١٧، عظیم نگر پوسٹ آفس لیاقت آباد کراچی ١٩

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ کتاب الآثار

از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

کسی کتاب کی اہمیت اور عظمتِ شان کا اندازہ لگانے کے لئے حسب ذیل امور پر نظر ڈالنا ضروری ہے :

(۱) مصنف کا فضل وکمال۔

(۲) صحت کا التزام۔

(۳) حسن ترتیب اور موضوع سے متعلق تمام اہم مباحث کا استیعاب۔

(۴) قبولیتِ عام اور شہرت۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ ان تمام اوصاف کے لحاظ سے "کتاب الآثار" فقہ یعنی علم سنن و احکام کی جملہ تصانیف سے فائق ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے

مصنف کا فضل وکمال | اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ کتاب الآثار کے سوا آج ہمارے پاس سنن کی کوئی کتاب ایسی موجود نہیں کہ جس کے مصنف کو تابعیت کا شرف حاصل ہو اور یہ وہ فضیلت ہے جس میں امام ابو حنیفہؒ اس عہد کے تمام نامور ائمہ میں ممتاز ہیں چنانچہ علامہ ابن حجر مکیؒ شارحِ مشکوٰۃ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے فتاویٰ سے ناقل ہیں :

انه ادرك جماعة من الصحابة كانوا بالكوفة بعد مولده بها سنة ثمانين فهو من طبقة التابعين

امام ابو حنیفہؒ نے صحابہ کی ایک جماعت کو پایا جو کوفہ میں تھے جبکہ ۸۰ھ میں وہاں پیدا ہوئے، لہذا وہ تابعین کے طبقہ میں ہیں . . . .

ولم يثبت ذلك لاحد من ائمة الامصار المعاصرين له كالاوزاعي بالشام والحمادين بالبصرة والثوري بالكوفة ومالك بالمدينة المشرفة والليث بن سعد بمصر

اور یہ بات ان کے معاصر ائمہ امصار میں سے کسی کی نسبت جیسے کہ اوزاعی کی نسبت جو شام میں تھے اور حماد بن سلمہ اور حماد بن زید کی نسبت جو بصرہ میں تھے اور سفیان ثوریؒ کی نسبت جو کوفہ میں تھے اور مالک کی نسبت جو مدینہ شریف میں تھے اور لیث بن سعد کی نسبت جو مصر میں تھے، ثابت نہیں ہوئی۔

(الخیرات الحسان فصل سادس۔ ازعلامہ ابن حجر مکی)

امام ممدوح کی جلالتِ قدر کے لئے اس سے زیادہ کیا درکار ہے کہ وہ امت میں امام اعظم کے لقب سے مشہور ہیں اور ان کے اجتہادی مسائل پر اسلامی دنیا کی دو تہائی آبادی بارہ سو برس سے برابر عمل کرتی چلی آرہی ہے، تمام اکابر ائمہ آپ کے فضل و کمال کے معترف ہیں۔ ابن مبارک کا بیان ہے کہ میں امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک بزرگ آئے اور جب وہ اُٹھ کر چلے گئے تو امام موصوف نے فرمایا جانتے ہو یہ کون تھے؟ حاضرین نے عرض کیا نہیں (اور میں ان کو پہچان چکا تھا) فرمانے لگے:

هذا ابو حنيفة النعمان لو قال هذه الاسطوانة من ذهب لخرجت كما قال لقد وفق له الفقه حتى ما عليه فيه كثير مؤنة[1]

یہ ابو حنیفہ نعمان ہیں جو اگر یہ کہہ دیں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو ویسا ہی نکل آئے۔ ان کو فقہ میں ایسی توفیق دی گئی ہے کہ اس فن میں انہیں ذرا مشقت نہیں ہوتی

امام شافعیؒ فرماتے ہیں الناس عيال على ابي حنيفة في الفقه[2] (لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں) ابو بکر مروزیؒ کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبلؒ کو یہ فرماتے سُنا

لم يصح عندنا ان ابا حنيفة قال القرآن مخلوق۔

ہمارے نزدیک یہ بات ثابت نہیں کہ ابو حنیفہؒ نے قرآن کو مخلوق کہا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ "الحمد للہ" اے ابو عبد اللہ (یہ امام احمد کی کنیت ہے) ان کا تو علم

---

[1] "مناقب ابی حنیفہؒ" از محدث صیمری۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ مجلس علمی کراچی میں موجود ہے

[2] "مناقب ابی حنیفہؒ" از حافظ ذہبی ص 19 طبع مصر

میں بڑا مقام ہے فرمانے لگے

سبحان اللہ ھو من العلم والورع والزھد وایثار الدار الآخرۃ بمحل لا یدرکہ احد[1]	سبحان اللہ وہ تو علم، ورع، زہد اور عالم آخرت کو اختیار کرنے میں اس مقام پر فائز ہیں کہ جہاں احمد کی بھی رسائی نہیں۔

امام سفیان بن عیینہ شہادت دیتے کہ ما مقلت عینی مثل ابی حنیفۃ[2] (میری آنکھوں نے ابوحنیفہؒ کی مثل نہیں دیکھا) وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ العلماء ابن عباس فی زمانہ والشعبی فی زمانہ وابوحنیفۃ فی زمانہ[3] (علماء تو یہ تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ میں، شعبیؒ اپنے زمانہ میں اور ابوحنیفہؒ اپنے زمانہ میں) عبدالرحمن بن مہدی جو فن رجال کے مشہور امام ہیں فرماتے ہیں:

کنت نقالاً للحدیث فرایت سفیان الثوری امیر المؤمنین فی العلماء وسفیان بن عیینہ امیر العلماء وشعبۃ عیار الحدیث وعبداللہ بن المبارک صراف الحدیث ویحیی بن سعید قاضی العلماء وابوحنیفۃ قاضی قضاۃ العلماء ومن قال لک سوی ھذا فارمہ فی کناسۃ بنی سلیم[4]	میں حدیث کا بڑا ناقل تھا سو میں نے دیکھا کہ سفیان ثوری تو علماء میں امیر المؤمنین ہیں اور سفیان بن عیینہ امیر العلماء اور شعبہ حدیث کی کسوٹی ہیں اور عبداللہ بن مبارک اس کے صراف اور یحیی بن سعید قاضی العلماء ہیں اور ابوحنیفہ قاضی قضاۃ العلماء اور جو شخص تمہیں اس کے سوا کچھ اور بتائے تو اس کی بات کو بنی سلیم کے گھوڑے پر پھینک دو۔

شیخ الاسلام یزید بن ہارون کا قول ہے

کان ابوحنیفۃ تقیاً نقیاً زاھدًا — امام ابوحنیفہ متقی، پاکیزہ صفات، زاہد

---

[1] "مناقب ابی حنیفہ" از ذہبی ص۲۷۔ [2] ایضاً ص۱۹۔ [3] مناقب صیمری۔ [4] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ مکی جلد ۲ ص۴۵ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

عالماً صدوق اللسان احفظ اهل زمانہ سمعتُ کل من ادرکتہ من اہل زمانہ انہ ما رؤی افقہ منہ[1]

عالم، زبان کے سچے اور اپنے اہل زمانہ میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ میں نے ان کے معاصرین میں سے جتنے لوگوں کو پایا سب کو یہی کہتے سنا کہ ان سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا گیا

یہ بھی انہی کا بیان ہے کہ لم أر اعقل ولا افضل ولا أورع من ابی حنیفۃ[2]

(میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ عاقل، ان سے افضل اور ان سے زیادہ پاکباز نہیں دیکھا)

امام الجرح والتعدیل یحیی بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ

انہ و اللہ لأعلم ھذہ الامۃ بما جاء عن اللہ و رسولہ[3]

واللہ ابوحنیفہ اس امت میں خدا اور اس کے رسول سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

سید الحفاظ یحیی بن معین سے ایک بار ان کے شاگرد احمد بن محمد البغدادی نے ابوحنیفہ کے متعلق ان کی رائے دریافت کی۔ فرمانے لگے عدل ثقۃ ماظنك بمن عدّلہ ابن المبارك و وکیع[4] (سراپا عدالت ہیں، ثقہ ہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے جس کی ابن مبارک اور وکیع نے توثیق کی ہے)۔

امام عبداللہ بن مبارک کہا کرتے تھے لولا ان اللہ تدارکنی بابی حنیفۃ وسفیان لکنتُ بدعیاً[5] (اگر اللہ تعالےٰ نے ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے ذریعہ میرا تدارک نہ کیا ہوتا تو میں بدعتی ہوتا)

شیخ الاسلام ابوعبدالرحمٰن مقری، امام ابوحنیفہ سے حدیث روایت کرتے تو ان

---

[1] مناقب صیمری۔ [2] مناقب ذہبی ص۲۶۔ [3] مقدمہ کتاب التعلیم از مسعود بن شیبہ سندی بحوالہ تاریخ امام طحاوی، اس کتاب کا قلمی نسخہ مجلس علمی کراچی کے کتبخانہ میں موجود ہے۔

[4] مناقب الامام الاعظم از علامہ کردری ج ۱ ص۹۱ طبع دائرۃ المعارف۔

[5] مناقب ابی حنیفہؒ از حافظ ذہبی ص۱۸

ان الفاظ میں کیا کرتے حدّثنا ابو حنیفۃ شاہ مردان[1]۔ ائمہ اعلام کی ان شہادتوں سے جو صحیح ترین ماخذ سے منقول ہیں آپ ابو حنیفہ کی جلالتِ علمی کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امتِ محمدیہ میں ان کا مقام کیا ہے، امام اہل بلخ خلف بن ایوب نے بالکل صحیح کہا ہے کہ

صار العلم من الله تعالیٰ الی محمد	اللہ تعالیٰ سے علم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا
صلی الله علیه وسلم ثم صار الی اصحابه	آپ کے بعد آپ کے صحابہ کو۔ صحابہ کے بعد تابعین کو۔
ثم صار الی التابعین ثم صار الی ابی حنیفة	پھر تابعین سے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب
واصحابه فمن شاء فلیرض ومن شاء فلیسخط[2]۔	کو ملا۔ اس پر چاہے کوئی خوش ہو یا ناراض۔

صحت کا التزام | پہلے اس پر غور کیجئے کہ علم حدیث میں امام ابو حنیفہ کا کیا پایہ ہے شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کان اعلم اهل عصره بالحدیث[3]۔ وہ اپنے معاصرین میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ شیخ الاسلام یزید بن ہارون المتوفی ۲۰۶ھ (جن کے بارے میں علی بن المدینی کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھ کر حافظِ حدیث نہیں دیکھا) اور سید الحفاظ یحییٰ بن سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ (جن کے بارے میں ابن المدینی کا قول ہے کہ ان سے بڑھ کر رجال کا عالم میری نظر سے نہیں گزرا) کی تصریحات اس سلسلہ میں ابھی آپ کی نظر سے گزریں، پھر اس امر کو نظر میں رکھئے کہ امام ابو حنیفہؒ کی نظرِ انتخاب نے چالیس[4] ہزار احادیث کے

---

[1] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ ج ۲ ص ۳۲۔ [2] تاریخ بغداد از محدث خطیب بغدادی، ترجمہ امام ابو حنیفہ [3] اصول الفقہ از امام سرخسی جلد ۱ ص ۳۵۰ طبع مصر ۱۳۷۲ھ [4] یہ چالیس ہزار متون احادیث کی تعداد نہیں اسانید کی ہے اور اس تعداد میں صحابہ کرام کے اقوال اور تابعین کے فتاویٰ بھی داخل ہیں کیونکہ سلف کی اصطلاح میں ان سب کے لئے حدیث اور اثر کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں احادیث کے طرق واسانید کی تعداد چالیس پچاس ہزار سے متجاوز نہ تھی بعد کو بخاری ومسلم کے عہد میں یہی تعداد لاکھوں تک جا پہنچی، کیونکہ جب ایک شیخ نے کسی حدیث کو مثلاً دس شاگردوں سے بیان کیا تو اب محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس حدیث کی دس اسنادیں اور دس طریقے ہوگئے۔ چنانچہ اگر آپ "کتاب الآثار" اور "موطا" کی احادیث کی تخریج بقیہ کتب احادیث سے کرنے بیٹھیں تو ایک ایک روایت کے دسیوں بیسیوں بلکہ سینکڑوں طریقے اور اسنادیں مل جائیں گی۔

مجموعہ سے چن کر اس کتاب کو مرتب کیا ہے، چنانچہ صدر الائمہ موفق بن احمد مکی، امام الائمہ بحر بن محمد زرنجری المتوفی ۵۱۲ھ کے حوالے سے جو بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں ناقل ہیں

وانتخب ابوحنیفة رحمه الله الآثار من اربعین الف حدیث[1]	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے "کتاب الآثار" کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔

حافظ ابونعیم اصفہانی نے مسند ابی حنیفہ میں بسندِ متصل یحییٰ بن نصر بن حاجب کی زبانی نقل کیا ہے کہ

دخلتُ علی ابی حنیفة فی بیت مملوء کتباً فقلتُ ماهذه قال هذه احادیث کلها وما حدّثت به الا الیسیر الذی ینتفع به[2]	میں ابوحنیفہ کے یہاں ایسے مکان میں داخل ہوا کہ جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا کتابیں ہیں فرمایا یہ سب حدیثیں ہیں اور میں نے ان میں سے صرف تھوڑی سی حدیثیں بیان کی ہیں جن سے انتفاع ہو۔

پھر یہ دیکھئے کہ بڑے بڑے محدثین نے امام ابوحنیفہ کی اس احتیاط کا کن لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ حافظ ابومحمد عبداللہ حارثی بسندِ متصل وکیع سے جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں، نقل کرتے ہیں کہ

اخبرنا القاسم بن عباد سمعتُ یوسف الصفار یقول سمعتُ وکیعاً یقول لقد وجد الورع عن ابی حنیفة فی الحدیث مالم یوجد عن غیره[3]	جیسی احتیاط امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے حدیث میں پائی گئی، کسی دوسرے سے نہیں پائی گئی۔

اسی طرح علی بن جعد جوہری سے جو حدیث کے بہت بڑے حافظ اور امام بخاری و ابوداؤد کے شیخ ہیں نقل کیا ہے کہ

قال القاسم بن عباد فی حدیثه قال	امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) جب حدیث بیان

---

[1] "مناقب الامام الاعظم" جلد ۱ ص ۹۵ ۔ [2] "عقود الجواهر المنیفة" جلد ۱ ص ۲۳ طبع مصر۔
[3] "مناقب صدر الائمہ" جلد ۱ ص ۱۹۷

علی بن الجعد ابوحنیفۃ اذا جاء بالحدیث جاء بہ مثل الدر[1] — کرتے ہیں تو موتی کی طرح آبدار ہوتی ہیں۔

اور امام یحییٰ بن معین جن پر فنِ جرح و تعدیل کا دار و مدار ہے فرماتے ہیں

کان ابوحنیفۃ ثقۃ لا یحدث بالحدیث الا بما یحفظہ ولا یحدث بما لا یحفظ[2] — ابوحنیفہ ثقہ ہیں جو حدیث ان کو یاد ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں اور جو حفظ نہیں ہوتی اس کو بیان نہیں کرتے

امام عبداللہ بن مبارک جن کی جلالتِ شان پر سارے محدثین کا اتفاق ہے، انہوں نے امام ابوحنیفہ کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں ان میں "کتاب الآثار" کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

روی آثارہ فاجاب فیہا — کطیران الصقور من المنیفۃ

انہوں نے آثار کو روایت کیا تو اس عنبر سے رواں ہوئے جیسے بلندی سے شکاری پرندے اڑتے ہیں۔

فلم یک بالعراق لہ نظیر — ولا بالمشرقین ولا بکوفۃ[3]

سو نہ تو عراق میں ان کی نظیر تھی، نہ مشرق و مغرب میں اور نہ کوفہ میں

اسی طرح امام اہلِ سمرقند ابومقاتل سمرقندی اپنی ایک نظم میں جو انہوں نے امام ممدوح کی منقبت میں کہی ہے فرماتے ہیں ؎

روی الآثار عن نبلٍ ثقاتٍ — غزار العلم مشیخۃ حصیفۃ[4]

انہوں نے الآثار کو ان نبلاء ثقات سے روایت کیا ہے جو بڑے وسیع العلم اور پکے مشائخ تھے۔

اب خود سوچ لیجئے کہ "کتاب الآثار" کی روایات صحت کے کس اعلیٰ معیار پر ہیں۔

حسنِ ترتیب و استیعابِ مباحث | تاریخ و رجال کی کتابوں میں علم حدیث کے متعلق صحابہ و تابعین کے بہت سے نوشتوں اور صحیفوں[5] کا ذکر ملتا ہے جو اس کثرت سے تھے کہ محدث ابونعیم

---

[1] جامع مسانید الامام الاعظم از محدث خوارزمی ج ۲ ص ۳۰۸ طبع دائرۃ المعارف۔ [2] "تاریخ بغداد" تہذیب التہذیب از حافظ ابن حجر اور طبقات الحفاظ امام سیوطی میں امام ابوحنیفہ کا ترجمہ دیکھو، سیوطی کی طبقات الحفاظ کا قلمی نسخہ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن کے کتب خانہ میں ہماری نظر سے گزرا ہے۔

[3] مناقب صدر الائمہ جلد ۲ ص ۱۹۰ [4] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ جلد ۲ ص ۱۹۱۔ [5] ان صحیفوں میں سے مشہور تابعی ہمام بن منبہ کا صحیفہ جو ۵۸ھ سے پہلے کی تالیف ہے اردو ترجمہ کے ساتھ گزشتہ سال ہی حیدرآباد دکن سے شائع ہوا ہے۔

اصفہانی کی روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ کا مکان ان سے بھرا ہوا تھا۔ اور اگرچہ اس میں شک نہیں کہ کوفہ میں علم حدیث کا جس قدر تحریری سرمایہ تھا وہ سب امام ممدوح نے اپنے پاس جمع کر لیا تھا۔ تاہم نہیں کہا جا سکتا کہ دوسرے بلادِ اسلامیہ میں اور کس قدر ذخیرہ موجود ہوگا لیکن اس کثرت کے باوجود ابھی تک حدیثِ نبوی کے جتنے صحیفے اور مجموعے لکھے گئے تھے ان کی ترتیب فنی نہ تھی بلکہ ان کے جامعین نے کیف ما اتفق جس قدر حدیثیں ان کو یاد تھیں انہیں قلم بند کر لیا تھا۔ تمام امت میں امام ابو حنیفہؒ کو اس بارے میں شرفِ اولیت حاصل ہے کہ انہوں نے علم شریعت کو باقاعدہ ابواب پر مرتب فرمایا اور اس خوبی و خوش اسلوبی سے مرتب فرمایا کہ آج تک سنن و احکام کی تمام کتابیں انہی کی فقہی ترتیب کے مطابق مدوّن و مرتب ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ سب سے پہلے امام مالکؒ نے موطا کی ترتیب میں امام ابو حنیفہؒ کا تتبع کیا اور بعد کو تمام ائمہ نے اسی طریقہ کو اختیار کر لیا۔ حسن قبول اسی کا نام ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

این سعادت بزورِ بازو نیست ⁂ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

علامہ سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں

من مناقب ابی حنیفۃ التی انفرد بھا انہ اول من دوّن علم الشریعۃ و رتّبہ ابوابًا ثم تبعہ مالك بن انس فی ترتیب الموطا ولم یسبق ابا حنیفۃ احد
تبییض الصحیفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ[1]

امام ابو حنیفہ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدوّن کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی۔ پھر امام مالک بن انس نے موطا کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس امر میں امام ابو حنیفہؒ پر کسی کو اولیت حاصل نہیں ہے۔

امام ابو بکر عتیق بن داؤد یمانی رحمہ اللہ نے جن کا شمار متقدمین فقہاء میں ہے اس سلسلے میں اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ

فاذا کان اللہ تعالیٰ قد ضمن لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم حفظ الشریعۃ وکان ابو حنیفۃ

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی شریعت کے متعلق حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور امام ابو حنیفہؒ

---

[1] طبع دائرۃ المعارف۔ ص ۳۶

اول من دوّنها فیبعد ان یکون اللہ تعالیٰ قد ضمنہا ثم یکون اول من دوّنہا علی خطأ[1]
پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس کو مدوّن فرمایا تو اب یہ بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس کی حفاظت کی ضمانت لیں اور پھر اس کا پہلا مدوّن ہی غلط تدوین کر دے۔

قبولیتِ عام اور شہرت قبول عام اور شہرتِ دوام کا یہ حال ہے کہ امتِ مرحومہ کا سوادِ اعظم جس کی تعداد کا اندازہ دو ثلث اہل اسلام کیا جاتا ہے فقہ میں جس مذہب کا پیرو ہے وہ مذہب حنفی ہے۔ اور اس مذہب کے مسائلِ فقہ کی بنا اسی کتاب الآثار کی احادیث و روایات پر ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" میں "کتاب الآثار" کو حنفیوں کی امہات کتب میں شمار کیا ہے[2] اور تصریح کی ہے کہ

"مسند ابی حنیفہ و آثار محمد مبنائے فقہ حنفیہ است"[3] (فقہ حنفی کی بنا "مسند ابی حنیفہ" و "آثار محمد" پر ہے)

امام ابو حنیفہ کی تصانیف سے امام مالک کے استفادہ کا ذکر کتبِ تاریخ میں بصراحت مذکور ہے۔ قاضی ابو العباس محمد بن عبد اللہ ابن ابی العوام اپنی کتاب "اخبار ابی حنیفہ" میں بسند ناقل ہیں۔

حدثنی یوسف بن احمد المکی ثنا محمد بن حازم الفقیہ ثنا محمد بن علی الصائغ بمکۃ ثنا ابراھیم بن محمد عن الشافعی عن عبد العزیز الدراوردی قال کان مالك بن انس ینظر فی کتب ابی حنیفۃ وینتفع بہا[4]
امام شافعی فرماتے ہیں کہ عبد العزیز دراوردی کا بیان ہے کہ امام مالک بن انس، امام ابو حنیفہ کی تصانیف کا مطالعہ کرتے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے

---

[1] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ ج ۲ ص ۱۳۷ [2] کتاب مذکور ص ۱۸۵ طبع مجتبائی دہلی
[3] ایضاً ص ۱۷۱ - [4] تعلیقات الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الفقہاء از محدث کوثری ص ۱۲ طبع مصر

خود امام شافعیؒ نے تصریح کی ہے کہ

من لم ینظر فی کتب ابی حنیفة لم یتبحر فی الفقه[1]	جو شخص امام ابو حنیفہ کی تصانیف کو نہیں دیکھے گا فقہ میں متبحر نہیں ہوگا۔

ابو مسلم مستملی نے ایک بار شیخ الاسلام یزید بن ہارون سے بغداد میں سوال کیا کہ

یا ابا خالد ما تقول فی ابی حنیفة والنظر فی کتبه	اے ابو خالد ابو حنیفہ اور ان کی تصانیف کے مطالعہ کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں

شیخ الاسلام نے جواب دیا

انظروا فیها ان کنتم تریدون ان تفقهوا[2]	اگر تم فقیہ بننا چاہتے ہو تو ان کا مطالعہ کیا کرو

ایک اور موقع پر جب یزید بن ہارون حدیث کا درس دے رہے تھے طلباء کو خطاب کر کے کہنے لگے

همتکم السماع والجمع لو کان همتکم العلم لطلبتم تفسیر الحدیث ومعانیه ونظرتم فی کتب ابی حنیفة واقاویله فیفسّر لکم الحدیث[3]	تمہارا تو مقصد بس حدیث کا سننا اور جمع کر لینا ہے اگر علم تم لوگوں کا مقصد ہوتا تو حدیث کی تفسیر اور اس کے معانی کی تلاش رکھتے اور ابو حنیفہ کی تصانیف اور ان کے اقوال میں غور کرتے تب حدیث کی تشریح تم پر کھلتی۔

اور حافظ عبداللہ بن داؤد خریبی

من اراد ان یخرج من ذل العمی والجهل ویجد لذة الفقه فلینظر فی کتب ابی حنیفة[4]	جو شخص چاہتا ہے کہ نابینائی اور جہالت کی ذلت سے نکلے اور فقہ کی لذت سے آشنا ہو اس کو چاہئے کہ ابو حنیفہؒ کی کتابیں دیکھے۔

---

[1] "مناقب ابی حنیفہ" از صیمری۔ [2] "تاریخ بغداد" از خطیب۔

[3] "مناقب صدر الائمہ" ج ۲ ص ۴۸

[4] مناقب صیمری

حافظ ابو یعلی خلیلی نے کتاب الارشاد میں امام مزنی کے ترجمہ میں جو امام شافعی کے اجل تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں لکھا ہے کہ امام طحاوی مزنی کے بھانجے تھے، ایک بار محمد بن احمد شروطی نے ان سے دریافت کیا کہ

لم خالفت خالك واخترت مذهب ابی حنیفة — آپ نے اپنے ماموں کے خلاف ابو حنیفہ کا مذہب کیوں اختیار کیا۔

امام طحاوی نے فرمایا

لانی کنت اری خالی یدیم النظر فی کتب ابی حنیفة فلذلك انتقلت الیه (تاریخ ابن خلکان، ترجمہ امام طحاوی) — اس لئے کہ میں اپنے ماموں کو دیکھا کرتا تھا کہ وہ ہمیشہ ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے لہذا میں نے بھی انہیں کے مذہب کو اختیار کر لیا

یہ تھیں ائمہ فقہ و حدیث کی تصریحات اور یہ تھا ان کا طرز عمل امام ابو حنیفہ کی تصانیف کے بارے میں۔ اب ذرا اس پر بھی نظر ڈالئے کہ کتاب الآثار کی تصنیف نے اس فن کی تدوین پر کیا اثر ڈالا۔ روایات کی تبویب اور حسنِ ترتیب کے سلسلے میں امام ابو حنیفہ نے جو طریقہ اختیار کیا تھا بعد کے تمام مؤلفین نے اسی کو قائم رکھا۔ مؤطا کی ترتیب اسی کو سامنے رکھ کر کی گئی۔ اسی طرح روایات کے انتخاب اور ان کی صحت کے بارے میں امام ابو حنیفہ نے جو معیار قائم کیا تھا بعد کے اربابِ صحاح نے باوجود اختلافِ ذوق کے اس کا پورا پورا خیال رکھا۔ روایت سے احتجاج کے باب میں امام ابو حنیفہ نے اپنا طرز عمل یہ بتلایا ہے

انی آخذ بکتاب الله اذا وجدته وما لم اجده فیه اخذت بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم والآثار الصحاح عنه التی — میں مسئلہ کو جب "کتاب اللہ" میں پاتا ہوں تو وہاں سے لیتا ہوں اور جو وہاں نہ ملے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور آپ کی ان صحیح احادیث سے لیتا ہوں کہ جو ثقات کے

فشت فی ایدی الثقات[1] - ہاتھوں شائع ہو چکی ہیں -

اور امام سفیان ثوری نے آپ کے اس طرز عمل کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے

یاخذ بما صح عندہ من الاحادیث التی کان یحملھا الثقاۃ و بالآخر من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[2]	جو حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں اور جن کو ثقات روایت کرتے چلے آتے ہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل ہوتا ہے، اسی سے لیتے ہیں -

"کتاب الآثار" میں امام ابوحنیفہ نے ان ہی "آثار صحاح" کو جن کی اشاعت ثقات کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے جمع کر دیا ہے - امام ممدوح نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری افعال و ہدایات کو مبناء اول اور آثار صحابہ و تابعین کو مبناء ثانی قرار دیا ہے -

غور کیجئے بعینہ یہی طرز امام صاحب کے تتبع میں امام مالک نے موطا میں اختیار فرمایا ہے جو بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی "اصل و ام صحیحین است"- اس اعتبار سے کتاب الآثار" صحیحین کی "ام الام" ہوئی - شاہ صاحب موصوف نے "عجالہ نافعہ" میں یہ بھی لکھا ہے

صحیح بخاری و صحیح مسلم ہر چند در بسط و کثرت احادیث دہ چند موطا باشند لیکن طریق روایت احادیث و تمیز رجال و راہ اعتبار و استنباط از موطا آموختہ اند - [3]	صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہر چند کہ بسط و کثرت احادیث کے اعتبار سے موطا سے دس گنی ہیں لیکن روایت حدیث کا طریقہ رجال کی تمیز اور اعتبار و استنباط کا ڈھنگ موطا ہی سے سیکھا ہے -

ادھر فقہاء محدثین کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے ترتیب مضامین تو درکنار اپنی تصنیفات کے نام تک تجویز کرنے میں اس کی ہم آہنگی کی، چنانچہ امام تلجی نے اپنی کتاب کا نام "تصحیح الآثار" اور امام طحاوی نے "معانی الآثار" اور "مشکل الآثار" اور امام طبری نے "تہذیب الآثار" رکھا -

بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ "کتاب الآثار" سے پہلے حدیث کی کوئی کتاب ابواب

---

[1] مناقب صیمری - [2] الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء از حافظ ابن عبدالبر ص ۱۴۲ طبع مصر
[3] عجالہ نافعہ ص ۵ طبع مجتبائی دہلی .

پر مرتب نہ تھی۔ "کتاب الآثار" تصنیف ہوئی تو حدیث کی تبویب کا رواج ہوا۔ اور چونکہ اس میں تبویب کے ساتھ ساتھ صحیح روایات کے درج کرنے کا التزام تھا اس لئے بعد کو ابواب پر تصنیف کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ جہاں تک ہوسکے صحیح تر روایات درج کتاب کی جائیں۔ چنانچہ حافظ سیوطی "تدریب الراوی" میں لکھتے ہیں

ان المصنف علی الابواب انما یورد اصح مافیه لیصلح للاحتجاج[1] — ابواب پر تصنیف کرنے والا اس مضمون کی صحیح تر روایت کو لاتا ہے جو استدلال کے لائق ہو۔

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حسنِ ترتیب، جودتِ تالیف، صحتِ روایات اور ان کے انتخاب کے بارے میں کتاب الآثار نے بعد کی تصنیفات پر کتنا عمدہ اثر ڈالا ہے۔

کتاب الآثار کے نسخے

موطا، صحیح بخاری، سنن نسائی، سنن ابی داؤد اور دیگر کتب حدیث کی طرح "کتاب الآثار" کے بھی متعدد نسخے ہیں جن میں روایات کی تعداد کے لحاظ سے بھی فرق ہے اور ابواب کی تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے بھی۔ چنانچہ بعض نسخوں میں بہت سی روایات ایسی ملتی ہیں جو دوسرے نسخوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اسی طرح کسی نسخے میں کوئی روایت کہیں مذکور ہے اور کسی میں کہیں، اس قسم کا اختلاف کتبِ مذکورہ میں بھی پایا جاتا ہے اور ایسا ہونا لازمی تھا۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ کے تمام شاگردوں نے "کتاب الآثار" کو ایک ہی وقت میں امام موصوف سے حاصل نہیں کیا تھا۔ بلکہ مختلف شاگردوں نے مختلف اوقات میں اس کا سماع کیا تھا۔ اس زمانے دستور تھا کہ استاد اپنے حفظ سے احادیث کا املا کراتا اور شاگرد اس کو لکھ لیا کرتے۔ اس اختلافِ اشخاص اور اختلافِ اوقات کی بنا پر ناگزیر تھا کہ روایات کی تعداد اور ابواب کی تقدیم و تاخیر میں کسی قدر اختلاف ضرور ہو۔ علاوہ ازیں نظرِ ثانی کے وقت اکثر اس میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ امام عبداللہ بن مبارک جو امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد ہیں فرماتے ہیں

کتبتُ کتب ابی حنیفة غیر مرّة کان یقع فیها زیادات فاکتبها[2] — میں نے امام ابوحنیفہ کی تصانیف کو کئی بار نقل کیا کیونکہ ان میں اضافے ہوتے رہتے تھے اور مجھے انہیں لکھنا پڑتا۔

---

[1] "تدریب الراوی" ص ۵۶ طبع مصر۔ [2] مناقب صدر الائمہ ج ۲ ص ۱۶۸

محدثین نے کتاب الآثار کے جن نسخوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں

(۱) کتاب الآثار بروایت امام زفر بن الهذیل المتوفی سنہ ۱۵۸ھ

ان کے نسخہ کا ذکر حافظ امیر بن ماکولا المتوفی سنہ ۴۷۵ھ نے اپنی مشہور کتاب "الاکمال فی رفع الارتیاب[1] عن المؤتلف والمختلف من الاسماء والکنی والانساب" کے باب الحصینی والجصینی میں کیا ہے۔ چنانچہ محدث احمد بن بکر جصینی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں

احمد بن بکر بن سیف ابو بکر الجصینی ثقة یمیل میل اهل النظر روی عن ابی وهب عن زفر بن الهذیل عن ابی حنیفة "کتاب الآثار"

احمد بن بکر بن سیف ابو بکر جصینی ثقہ ہیں۔ اہل نظر یعنی فقہاء حنفیہ کی طرف میلان رکھتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ سے کتاب الآثار کو بواسطہ امام زفر بن الہذیل ان کے شاگرد ابو وہب سے روایت کرتے ہیں۔

امام زفر کے اس نسخہ کا ذکر حافظ ابو سعد سمعانی شافعی نے "کتاب الانساب[2]" میں اور حافظ عبد القادر قرشی حنفی نے "الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ[3]" میں بھی کیا ہے۔

واضح رہے کہ امام زفرؒ سے "کتاب الآثار" کی روایت ان کے تین شاگردوں نے کی ہے۔ ایک یہی ابو وہب محمد بن مزاحم مروزی۔ دوسرے شداد بن حکیم بلخی جن کے نسخے سے "جامع مسانید الامام الاعظم للخوارزمی" میں "مسند حافظ ابن خسرو بلخی" وغیرہ کے حوالہ سے بکثرت روایتیں منقول ہیں اور تیسرے حکم بن ایوب، پہلے دو نسخوں کا ذکر محدث حاکم نیشاپوری نے بھی اپنی مشہور کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں بایں الفاظ کیا ہے:

نسخة لزفر بن الهذیل الجعفی تفرد بها عنه شداد بن حکیم البلخی ونسخة ایضاً لزفر بن الهذیل الجعفی تفرد بها ابو وهب محمد بن مزاحم المروزی عنه[4]

زفر بن ہذیل جعفی کا ایک نسخہ ہے جس کو ان سے صرف شداد بن حکیم بلخی روایت کرتے ہیں اور زفر ہی کا ایک نسخہ اور ہے جس کو ان سے صرف ابو وہب محمد بن مزاحم مروزی روایت کرتے ہیں

---

[1] اس کتاب کے قلمی نسخے کتب خانہ ریاست ٹونک اور کتب خانہ حیدر آباد دکن میں ہماری نظر سے گزرے ہیں
[2] ملاحظہ ہو کتاب الانساب نسبت الجصینی یہ کتاب لیڈن (ہالینڈ یورپ) میں چھپی ہے۔
[3] الجواہر المضیہ میں احمد بن بکر کا تذکرہ دیکھو۔ [4] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۶۴ طبع دار الکتب المصریہ

امام زفر کے تیسرے نسخے کا ذکر حافظ ابو الشیخ بن حبان نے اپنی کتاب "طبقات المحدثین[1] باصبہان والواردین علیہا" میں احمد بن رستہ کے ترجمہ میں کیا ہے۔ چنانچہ ان کی عبارت درج ذیل ہے

احمد بن رستہ بن بنت محمد المغیرۃ	احمد بن رستہ جو محمد بن المغیرہ کے نواسے ہیں ان کے
کان عندہ "السنن" عن محمد عن الحکم	پاس "سنن" تھی جس کو وہ اپنے نانا محمد سے وہ حکم بن
بن ایوب عن زفر عن ابی حنیفۃ	ایوب سے وہ زفر سے اور وہ اس کو امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے تھے

حافظ ابو الشیخ نے یہاں "کتاب الآثار" کو السنن کے نام سے ذکر کیا ہے اور چونکہ وہ اس کتاب میں ہر راوی کے ترجمہ میں اس کی روایت سے ایک دو حدیثیں بھی ذکر کرتے ہیں اس لئے اپنے معمول کے مطابق اس نسخہ سے بھی دو حدیثیں درج کی ہیں۔ اسی طرح حافظ ابونعیم اصفہانی نے بھی "تاریخ اصبہان" میں اس نسخہ کی روایتیں نقل کی ہیں[2]۔ امام طبرانی کی "المعجم الصغیر"[3] میں بھی اس نسخہ کی ایک روایت موجود ہے۔

(۲) کتاب الآثار بروایت امام ابو یوسف المتوفی ۱۸۲ھ

اس نسخہ کا ذکر حافظ عبدالقادر قرشی نے "الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ" میں کیا ہے چنانچہ امام یوسف بن ابی یوسف کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں

روی "کتاب الآثار" عن ابیہ عن ابی حنیفۃ وھو مجلد ضخم۔	یہ اپنے والد کی سند سے امام ابوحنیفہ سے "کتاب الآثار" کی روایت کرتے ہیں جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔

اللہ تعالٰی جزائے خیر دے مولانا ابو الوفا افغانی صدر "مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن" کو کہ انہوں نے بڑی تلاش اور کوشش سے اس نسخہ کو فراہم کر کے تصحیح و تحشیہ

ل۱ اس کتاب کا قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہماری نظر سے گزرا ہے۔ ۲ یہ کتاب اب یورپ میں طبع ہو چکی ہے۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں دیکھا ہے ۳ ملاحظہ ہو ص۳۳ طبع انصاری دہلی

کے اہتمام کے ساتھ نہایت عمدہ کاغذ پر ۱۳۵۵ھ میں مصر سے طبع کرا کر شائع کیا۔

امام ابو یوسف سے بھی "کتاب الآثار" کے اس نسخہ کو دو شخص روایت کرتے ہیں ایک یہی ان کے صاحبزادے امام یوسف مذکور اور دوسرے عمرو بن ابی عمرو، محدث خوارزمی نے عمرو کی روایت کو "جامع المسانید" میں نسخہ ابی یوسف سے موسوم کیا ہے اور اس کتاب کے باب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام ابو یوسف تک نقل کر دی ہے۔

(۳) کتاب الآثار بروایت امام محمد بن حسن شیبانی المتوفی ۱۸۹ھ

ان کا نسخہ "کتاب الآثار" کے تمام نسخوں میں متداول ترین، مشہور ترین اور مقبول ترین ہے اور اسی کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تعجیل المنفعۃ بزوائد الائمۃ الاربعۃ" کے مقدمہ میں یہ لکھا ہے کہ

والموجود من حدیث ابی حنیفۃ انما ھو کتاب الآثار التی رواھا محمد بن الحسن عنہ۔

حدیث میں امام ابو حنیفہ کی جو مستقل کتاب موجود ہے وہ "کتاب الآثار" ہے جس کو امام محمد بن حسن نے ان سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس نسخے میں جن راویوں سے حدیثیں مروی ہیں ان کے حالات میں دو اہم کتابیں لکھی ہیں پہلی تصنیف جو مستقل طور پر رجال "کتاب الآثار" سے متعلق ہے، اس کا نام "الایثار بمعرفۃ رواۃ الآثار" ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ میرے پاس بھی موجود ہے، دوسری کتاب یہی "تعجیل المنفعۃ" ہے جس میں حافظ صاحب موصوف نے صرف ان رواۃ حدیث کا تذکرہ لکھا ہے کہ جن سے ائمہ اربعہ امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے اپنی اپنی تصانیف میں حدیثیں نقل کی ہیں۔ مگر صحاح ستہ میں ان کے سلسلہ سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ چنانچہ اسی ذیل میں انہوں نے "تعجیل المنفعۃ" میں "کتاب الآثار" امام محمد کے زوائد رجال کو بھی جمع کر دیا ہے۔ محدث سخاوی نے "الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ" میں لکھا ہے کہ حافظ زین الدین قاسم بن قطلوبغا المتوفی ۸۷۹ھ نے بھی "رجال کتاب الآثار"

ا۔ کتاب مذکور ص ۱ طبع دمشق ۱۳۴۹ھ

امام محمد پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ ملا کاتب چلپی نے کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون "میں "کتاب الآثار" امام محمد پر امام طحاوی کی شرح کا بھی ذکر کیا ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے بھی مبسوط میں "کتاب الآثار" کے متعلق خود امام محمد کی شرح کا حوالہ دیا ہے[1]۔ اور علامہ تقی الدین احمد بن علی مقریزی نے "العقود فی تاریخ العہود"[2] میں حافظ قاسم بن قطلوبغا کی تصنیفات میں ان کی ایک کتاب التعلیق علی کتاب الآثار" کا بھی ذکر کیا ہے جو رجال "کتاب الآثار" کے علاوہ ہے۔ اسی طرح علامہ مرادی نے بھی "سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر" میں شیخ ابو الفضل نور الدین علی بن مراد موصلی عمری شافعی المتوفی ۱۱۴۷ھ کے ترجمہ میں ان کی "شرح کتاب الآثار" امام محمد کا ذکر کیا ہے، خود ہم نے اس کے رجال پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس نسخہ کی احادیث کو مسانیدِ صحابہ پر مرتب کیا ہے۔ حال میں مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہان پوری نے بھی اس پر دو ضخیم جلدوں میں ایک مبسوط و محققانہ شرح لکھی ہے جس کے بارے میں مولانا ابو الوفا افغانی نے شرحاً حسناً لم یر مثلہ[3] (ایسی عمدہ شرح کہ جس کی نظیر دیکھنے میں نہیں آئی) کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

امام محمد سے بھی اس نسخہ کو ان کے متعدد شاگردوں نے روایت کیا ہے۔ مطبوعہ نسخہ امام ابو حفص کبیر اور امام ابو سلیمان جوزجانی کا روایت کردہ ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے علاوہ امام محمد رح کے ایک اور شاگرد عمرو بن ابی عمرو بھی ان سے اس کتاب کی روایت کرتے ہیں۔ اور محدث خوارزمی نے "جامع المسانید" میں اسی نسخہ کو امام محمد سے موسوم کیا ہے۔ غالباً اس نسخہ میں فتاوی تابعین کو ذکر نہیں کیا گیا بلکہ صرف احادیث ہی درج ہیں اور شاید اسی بناء پر اس کو مسند ابی حنیفہ کہا جاتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو مبسوط سرخسی جلد ۱ ص۸ طبع مصر ۱۳۲۴ھ اس کی اصل عبارت یہ ہے فقد ذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح الآثار لہ الخ۔ [2] الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع للسخاوی میں حافظ قاسم کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ [3] مقدمہ "کتاب الآثار" امام ابو یوسف۔ از مولانا افغانی دامت برکاتہم

امام ابوحفص کبیر اور امام ابوسلمان جوزجانی چونکہ فقہ حنفی کے ارکانِ نقل ہیں اس لئے "کتاب الاثار" کے تمام نسخوں میں ان ہی حضرات کی روایت کو زیادہ فروغ ہوا۔ کاتب الحروف بھی "کتاب الاثار" امام محمد کو امام ابوحفص کبیر ہی کے طریق سے روایت کرتا ہے جس کی سند درج ذیل ہے۔

اجازنی الشیخ الفقیہ العالم المحدّث مولانا ابوالوفا الافغانی ادامہ اللہ بالعز والکرامۃ قال اجازنی الشیخ عبدالقادر بن الشیخ محمد الحواری الزبیری المدنی مدیر مکتبۃ شیخ الاسلام عارف حکمت بمدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر اللہ المحرّم سنہ ۱۳۲۰ھ عن الشیخ علی ظاہر الوتری عن الشیخ عبدالغنی الدہلوی عن الشیخ محمّد عابد السندی عن عمہ الشیخ محمّد حسین بن محمد مراد الانصاری قال اجازنی الشیخ عبدالخالق بن علی المزجاجی قال قرأت علی الشیخ محمد بن علاء الدین المزجاجی عن الشیخ احمد بن محمد النخلی عن الشیخ محمد بن علاء الدین البابلی عن ابی النجا سالم بن محمد السنہوری عن النجم محمّد بن احمد بن علی الغیطی عن شیخ الاسلام زکریا الانصاری عن الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی انا بہا ابوعبداللہ الجریری محمد بن علی بن صلاح انا القوام امیر کاتب بن امیر عمر بن غازی الاتقانی انا البرہان احمد بن اسعد بن محمد البخاری والحسام حسین بن علی السغناقی قالا انا فخر الحرمین حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر البخاری انا الامام محمد بن عبدالستار الکردری انا عمر بن عبدالکریم الورسکی انا عبدالرحمن بن محمد الکرمانی انا ابوبکر بن الحسین الارسابندی انا ابوعبداللہ الزوزنی انا ابوزید الدبوسی انا ابوجعفر الاستروشنی وابوعلی الحسین بن خضر النسفی انا ابوبکر محمد بن الفضل انا ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی انا ابوعبداللہ محمد بن ابی حفص الکبیر انا ابی انا الامام محمد بن الحسن الشیبانی

(۴) کتاب الآثار بروایتِ امام حسن بن زیاد لؤلؤی المتوفی ۲۰۴ھ

اس نسخہ کا ذکر حافظ ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان"[1] میں کیا ہے۔ چنانچہ محدث محمد بن ابراہیم جبیش بغوی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

محمد بن ابراهيم بن جبيش البغوى روى عن محمد بن شجاع الثلجى عن الحسن بن زياد عن ابى حنيفة "كتاب الآثار"

محمد بن ابراہیم بن جبیش بغوی، محمد بن شجاع ثلجی سے وہ امام حسن بن زیاد سے اور وہ امام ابو حنیفہؒ سے "کتاب الآثار" کو روایت کرتے ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ کی "اعلام الموقعین" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ ان کے بھی پیش نظر تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس نسخہ سے حسب ذیل حدیث نقل کی ہے۔

قال الحسن بن زياد اللؤلؤى ثنا ابو حنيفة قال كنا عند محارب بن دثار وكان متكئًا فاستوى جالسًا ثم قال سمعتُ ابن عمر يقول سمعت رسول الله

---

[1] واضح رہے کہ لسان المیزان کے مطبوعہ نسخہ میں یہ عبارت اس طرح مذکور ہے:

محمد بن ابراهيم بن حسن البغوى روى عن محمد بن نجيح البلخى عن الحسن بن زياد عن محمد بن الحسن عن ابى حنيفة "كتاب الآثار"

لیکن طباعت کے اندر اسماء میں سخت تصحیف ہوگئی ہے۔ جبیش البغوی کی بجائے حسن البغوی غلط چھپ گیا۔ اسی طرح شجاع الثلجی کی جگہ نجیح البلخی محض غلط ہے اور عن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفة کے درمیان عن محمد بن الحسن کا اضافہ اگر اصل منقول عنہ میں بھی موجود ہے تو یقیناً غلط ہے بہرحال مطبع کے مصححین نے یہاں تصحیح کا اہتمام بالکل نہیں کیا۔ قلمی نوشتوں کے پڑھنے میں اسماء کی غلطی تو بالکل معمولی بات ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے متعلق تو مشہور ہے کہ وہ نہایت بدخط تھے خود ہم نے حافظ صاحب کے قلم کا لکھا ہوا "اتحاف المهرة" کا نسخہ دیکھا ہے فی الواقع ان کے نوشتہ کا صحیح پڑھ لینا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ محمد بن ابراہیم بن جبیش بغوی اور امام محمد بن شجاع ثلجی دونوں بڑے مشہور و معروف محدث گزرے ہیں۔ حافظ خطیب بغدادی نے ان دو حضرات کا مفصل تذکرہ تاریخ بغداد میں لکھا ہے اور چونکہ یہ دونوں حنفی ہیں اس لئے وہ اپنی عادت کے مطابق ان دونوں کے خلاف تعصب کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے۔

صلی اللہ علیہ وسلم لیاتین علی الناس یوم تشیب فیہ الولدان وتضع الحوامل مافی بطونہا۔ الحدیث[1]

محدث علی بن عبد المحسن دوالیبی حنبلی نے اپنے "ثبت" میں اس نسخہ سے ساٹھ حدیثیں نقل کی ہیں جن کو محدث ناقد شیخ محمد زاہد کوثری حنفی نے اپنی مشہور تصنیف "الامتاع بسیرۃ الامامین الحسن بن زیاد وصاحبہ محمد بن شجاع" میں تمام وکمال نقل کر دیا ہے۔

محدث خوارزمی نے "جامع مسانید" میں اس نسخہ کو "مسند ابی حنیفہ للحسن بن زیاد" سے موسوم کیا ہے اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام لؤلؤی تک نقل کر دی ہے۔ خوارزمی کی طرح دیگر محدثین بھی اس کو "مسند ابی حنیفہ" ہی کے نام سے روایت کرتے ہیں۔ خود حافظ ابن حجر عسقلانی کی مرویات میں بھی یہ نسخہ موجود تھا۔ اس نسخہ کی اسانید واجازات کو محدث علی بن عبد المحسن الدوالیبی الحنبلی نے اپنے "ثبت" میں اور حافظ ابن طولون حنفی نے "الفہرست الاوسط" میں اور حافظ محمد بن یوسف دمشقی شافعی مصنف "سیرۃ شامیہ" نے "عقود الجمان" میں اور محدث ایوب خلوتی حنفی نے اپنے "ثبت" میں اور خاتمۃ الحفاظ ملا محمد عابد سندھی نے "حصر الشارد فی اسانید الشیخ محمد عابد" میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور علامہ محدث محمد زاہد کوثری نے ان سب کو "الامتاع" میں نقل کر دیا ہے۔ جو سنہ ۱۳۶۸ھ میں مصر میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

ان حضرات کے علاوہ خود حضرت امام کے صاحبزادے الامام بن الامام حماد بن ابی حنیفہ المتوفی سنہ ۱۷۰ھ اور مشہور محدث محمد بن خالد الوہبی المتوفی قبل سنہ ۱۹۰ھ کی روایت سے بھی "کتاب الآثار" کے نسخے مروی ہیں۔ چنانچہ "جامع مسانید" میں محدث خوارزمی نے ان دونوں نسخوں سے حدیثوں کی روایت کی ہے۔ اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۴۳ طبع اشرف المطابع دہلی۔

اپنی اسناد بھی ان دونوں حضرات تک نقل کر دی ہے۔ خوارزمی نے ان دونوں نسخوں کا ذکر بھی "مسند ابی حنیفہ" ہی کے نام سے کیا ہے

یہ ملحوظ خاطر رہے کہ چونکہ محدث خوارزمی نے ان نسخوں کو "مسند" کہا ہے اس لئے بعد کے اکثر مصنفین بھی ان کو مسند ہی کے نام سے ذکر کرنے لگے۔ متقدمین کا دستور ہے کہ وہ ایک کتاب کو متعدد ناموں سے ذکر کر دیا کرتے ہیں مثلاً دارمی کی تصنیف کو "مسند دارمی" بھی کہتے ہیں اور "سنن دارمی" بھی۔ ترمذی کی کتاب کو سنن بھی کہتے ہیں اور جامع بھی اسی طرح "کتاب الآثار" کے ان نسخوں کو کبھی علماء نے "مسند" کے نام سے ذکر کیا ہے اور کبھی "سنن" کے نام سے اور کبھی "کتاب الآثار" کے نام سے اور کبھی صرف نسخہ ہی لکھ دیا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے مجموعہ حدیث کا اصل نام جس کو خود امام ممدوح نے مرتب فرمایا تھا "کتاب الآثار" ہی ہے۔ ملک العلماء امام علاء الدین کاشانی نے بھی "بدائع الصنائع" میں اس کا ذکر "آثار ابی حنیفہ" ہی کے نام سے کیا ہے [1]

شیخ محمد سعید سنبل نے لکھا ہے کہ چونکہ "کتاب الآثار" امام محمد میں تابعین سے زیادہ روایتیں منقول ہیں۔ اس بنا پر خود انہوں نے اس کا نام "الآثار" رکھا ہے [2]۔ لیکن شیخ صاحب کو شاید یہ معلوم نہیں کہ تابعی کے قول کو "اثر" سے تعبیر کرنا متاخرین کی اصطلاح ہے متقدمین کے یہاں اثر کا اطلاق موقوف مرفوع سب پر ہوتا تھا۔ خود امام محمد نے بھی "کتاب الآثار" اور "موطا" میں اس لفظ کو اس کے عام معنی ہی میں استعمال کیا ہے۔ ہاں اس کتاب کے جن نسخوں کو علماء نے "مسند" سے موسوم کیا ہے وہ اسی بنا پر کیا ہے کہ ان نسخوں میں مرفوع حدیثیں زیادہ ہیں۔ اور چونکہ کتاب الآثار کا موضوع احادیث احکام یعنی سنن ہیں اس بنا پر بعض محدثین نے اس نام سے بھی اس کا ذکر کر دیا ہے۔

---

[1] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جلد ۱ ص۲۲۰ طبع مصر۔
[2] اوائل شیخ محمد سعید سنبل ص۸ طبع احمدی دھلی۔

مذکورہ بالا چھ حضرات کے علاوہ جن کے ذریعہ سے "کتاب الآثار" کا سلسلہ امت میں باقی رہا کتبِ تاریخ میں اور جن محدثین کے متعلق یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ سے اس کتاب کا سماع کیا ہے وہ یہ ہیں :

۱۔ امام عبد اللہ بن المبارک ۔ جن کی تصریح سابق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ "میں نے ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو کئی دفعہ لکھا ہے اور محدث خطیب بغدادی نے "تاریخِ بغداد" میں حمیدی شیخ بخاری کی زبانی نقل کیا ہے ۔

سمعت عبد اللہ بن المبارك يقول	میں نے عبد اللہ بن مبارک کو یہ کہتے سنا کہ امام
كتبت عن ابی حنیفة اربعمائة حدیث	ابوحنیفہ سے میں نے چارسو حدیثیں لکھی ہیں ۔

۲۔ امام حفص بن غیاث ۔ ان سے حافظ عارثی نے بسند نقل کیا ہے کہ

سمعت من ابی حنیفة کتبه وآثاره[1]	میں نے امام ابوحنیفہ سے ان کی کتابوں کو اور ان کے آثار کو سنا ہے ۔

۳۔ شیخ الاسلام عبد اللہ بن یزید مقری ۔ ان کے بارے میں علامہ کردری لکھتے ہیں

سمع من الامام تسعمائة حدیث[2]	انہوں نے امام ابوحنیفہ سے نوسو حدیثیں سنی ہیں ۔

۴۔ امام وکیع بن الجراح ۔ ان کے متعلق حافظ ابن عبد البر "جامع بیان العلم" میں سید الحفاظ یحییٰ بن معین سے ناقل ہیں کہ

ما رأيت احدًا اقدمه على وكيع وكان	میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ جسے وکیع
يفتى برأى ابی حنیفة وكان یحفظ حدیثه	پر مقدم کروں اور وہ ابوحنیفہ کے قول پر فتوی
كله وكان قد سمع من ابی حنیفة حدیثا	دیتے تھے اور ان کی حدیثیں ساری انہیں حفظ تھیں
كثيرا[3]	اور انہوں نے امام ابوحنیفہ سے بہت حدیثیں سنی تھیں ۔

---

[1] ملاحظہ ہو "مناقب الامام الاعظم" از صدر الائمہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۷ ۔ [2] "مناقب الامام الاعظم" از امام کردری جلد ۲ ص ۲۳۱
[3] جامع بیان العلم جلد ۲ ص ۱۴۹ طبع مصر ۔

۵۔ حماد بن زید۔ یہی حافظ ابن عبد البر الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء میں رقمطراز ہیں

وروی حماد بن زید عن ابی حنیفۃ احادیث کثیرۃ[1]	حماد بن زید نے امام ابو حنیفہ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں

۶۔ خالد الواسطی۔ ان کے بارے میں بھی ابن عبد البر نے الانتقاء میں یہی تصریح کی ہے

وروی عنہ خالد الواسطی احادیث کثیرۃ[2] (واضح رہے کہ حافظ ابن عبد البر کے نزدیک احادیث کثیرہ کی تعداد کم از کم اتنی ہے جتنی کہ مؤطا کی روایات ہیں۔ کیونکہ انہوں نے امام محمد کے تذکرہ میں بھی یہی الفاظ لکھے ہیں کتب عن مالک کثیرا من حدیثہ[3] حالانکہ امام محمد نے امام مالک سے پوری مؤطا کا سماع کیا ہے)

۷۔ اسد بن عمرو۔ محدث صیمری نے ابو نعیم فضل بن دکین سے بسند ان کے متعلق تصریح نقل کی ہے

اول من کتب کتب ابی حنیفۃ اسد بن عمرو[4]	اسد بن عمرو پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ کی کتابوں کو لکھا ہے

یہ وہ تیرہ ارکان نقل ہیں کہ جن میں سے ہر ایک علم فقہ و حدیث کا آفتاب و ماہتاب ہے۔ یاد رہے بجز مؤطا امام مالک کے اور کسی کتاب کے راوی اس قدر جلالت علمی کے حامل نہیں ہیں یہ بھی خیال رہے کہ یہ صرف ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے امام ابو حنیفہ سے اس کتاب کو سنا ہے ورنہ امام ممدوح سے روایت حدیث کا سلسلہ تو اتنا وسیع ہے کہ بقول حافظ ذہبی

روی عنہ من المحدثین والفقہاء عدۃ لا یحصون[5]	ان سے محدثین اور فقہاء کی اتنی بڑی تعداد نے حدیثیں روایت کی ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا

واللہ اعلم وعلمہ اتم

---

[1] الانتقاء ص۱۳۰ طبع مصر۔ [2] ایضاً ص۱۳۶

[3] یعنی انہوں نے امام مالک سے ان کی بہت سی حدیثیں لکھی ہیں (الانتقاء ص۱۴۴)

[4] "الجواہر المضیۃ" ترجمہ اسد بن عمرو

[5] "مناقب ابی حنیفہ" از حافظ ذہبی ص۱۱

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہندوستان میں علم حدیث کا چرچا دوسرے ممالک کی بنسبت کم رہا ہے اسلئے یہاں کے بعض مصنفین کو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ حدیث میں امام ابوحنیفہ کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ چنانچہ ملا جیون المتوفی ۱۱۳۰ھ نور الانوار میں لکھتے ہیں:

لم یجمع ابو حنیفہ کتاباً فی الحدیث [1]

ابو حنیفہ نے حدیث میں کوئی کتاب مدون نہیں فرمائی

اور شاہ ولی اللہ صاحب مصفی شرح موطا کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

وازائمہ فقہ امروز ہیچ کتابے کہ خود ایشان تصنیف کردہ باشند بدست مردمان نیست الا موطا۔ (ص ۳)

اور آج ائمہ فقہ کی کوئی کتاب کہ جس کو خود انھوں نے تصنیف کیا ہو سوائے موطا کے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب بھی بستان المحدثین میں اپنے والد ماجد کی پیروی میں یہی لکھتے ہیں کہ:

باید دانست کہ از تصانیف ائمہ اربعہ رحمہم اللہ در علم حدیث غیر از موطا موجود نیست [2]

جاننا چاہیے کہ ائمہ اربعہ کی تصانیف میں سے علم حدیث میں بجز موطا کے اور کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔

مولانا شبلی نعمانی نے بھی اس بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب ہی کے فیصلے کو کافی سمجھا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے" [3]

اور ان کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی بھی یہی لکھ رہے ہیں کہ:

---

۱ نور الانوار طبع علوی لکھنؤ ص ۱۹ ۲ بستان المحدثین ص ۲۷، ۲۸ طبع محمدی لاہور۔
۳ سیرۃ النعمان ص ۱۱۰ طبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۲ء

"امام مالک کے سوا کسی امام مجتہد کے قلم سے علم حدیث کی کوئی تصنیف ظاہر نہیں ہوئی۔"[1]

ملا جیون محدث نہ تھے اس لئے ان کا انکار محلِ تعجب نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کتاب الآثار سے بخوبی واقف ہیں انھوں نے شیخ تاج الدین قلعی حنفی مفتی مکہ مکرمہ سے اس کے اطراف کا سماع بھی کیا ہے۔ چنانچہ انسان العین فی مشائخ الحرمین میں ان کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

"و اطراف ..... کتاب الآثار امام محمد و مؤطائے او از وے سماع نمود۔"[2]

شاہ صاحب ممدوح کو یہ بھی معلوم ہے کہ امام محمد اس کتاب کو امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ مصفی میں خود ان کے الفاظ ہیں:

"آثارے کہ از امام ابوحنیفہ روایت کردہ است۔"[3]

مگر شاید وہ اس کو امام ابوحنیفہ کے بجائے امام محمد کی تصنیف سمجھتے ہیں۔ محدث ملا علی قاری نے خود مؤطا امام محمد کے متعلق بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام محمد نے ان دونوں کتابوں کو ان کے مصنفین سے جس انداز پر روایت کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس قسم کی غلط فہمی کا پیدا ہو جانا کچھ زیادہ محلِ تعجب نہیں۔ امام موصوف کا ان دونوں کتابوں میں طرزِ عمل یہ ہے کہ وہ ہر باب میں اولاً اس کتاب کی روایتیں نقل کرتے ہیں پھر بالالتزام ان روایات کے متعلق اپنا اور اپنے استاد امام ابوحنیفہ کا مذہب بیان کرتے ہیں اور اگر اصل کتاب کی کسی روایت پر ان کا عمل نہیں ہوتا تو اس کو نقل کرنے کے بعد اس پر عمل نہ کرنے کے وجوہ و دلائل بالتفصیل لکھتے ہیں، اور اسی ذیل میں کتاب الآثار اور مؤطا دونوں کتابوں میں بہت سی حدیثیں اور آثار امام ابوحنیفہ اور

---

[1] حیاتِ امام مالک صفحہ ۹۱، طبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۴۰ھ [2] انسان العین صفحہ ۱۶ طبع احمدی دھلی
[3] مصفی صفحہ ۸

امام مالک کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی منقول ہیں۔ اس بناء پر بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں خود امام محمد ہی کی تصنیف کردہ ہیں[1]۔ حالانکہ واقع میں ایسا نہیں بلکہ کتاب الآثار، امام ابوحنیفہ کی اور موطا امام مالک کی تصنیف ہے۔ اور امام محمد ان دونوں حضرات سے ان کے راوی ہیں لیکن چونکہ امام محمد رح نے ان کتابوں کی روایت میں امورِ مذکورہ بالا کا اہتمام رکھا ہے اس بناء پر ان کی افادیت بہت زیادہ بڑھ گئی اور ان کا تداول اس درجہ عام ہو گیا کہ بجائے اصل مصنف کے خود ان کی طرف کتاب کا انتساب ہونے لگا اور کتاب الآثار امام محمد اور موطا امام محمد کہا جانے لگا۔ اس لئے ان حضرات کو بھی یہ غلط فہمی ہو گئی جس کی اصل وجہ ان دونوں کتابوں کے بقیہ نسخوں پر عدم اطلاع ہے۔

---

[1] مولانا شبلی نعمانی کتاب الآثار کے متعلق اور ملا علی قاری نے موطا کے متعلق اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کو پڑھ کر آپ کو اس غلط فہمی کی وجہ خود معلوم ہو جائے گی۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں: ”خوارزمی نے آثار امام محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے۔ بے شبہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں اس لئے ناظرین کو اختیار ہے کہ اس کو امام ابوحنیفہ کا مسند کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سی آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں، اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزوں ہے (سیرۃ النعمان ص۲۷)

اور ملا علی قاری موطا امام محمد کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقد وجدت بخط الاستاذ المرحوم الشيخ عبد الله السندي في ظهر هذا الكتاب انه موطا مالك بن انس برواية محمد بن الحسن وهو مشكل اذ يروي الامام محمد فيه من غير الامام مالك ايضا كالامام ابي حنيفة وامثاله ولعله نظر الى الاغلب	میں نے اپنے استاد مرحوم شیخ عبداللہ سندھی کے قلم سے اس کتاب کی پشت پر یہ لکھا ہوا پایا کہ یہ موطا مالک بن انس بروایت محمد بن الحسن ہے، اور یہ مشکل ہے کیونکہ امام محمد اس کتاب میں امام مالک کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی جیسے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے امثال ہیں روایت کرتے ہیں اور شاید استاذ مرحوم کا یہ فرمانا اس کی اغلب روایات کے اعتبار سے ہو۔

ملا علی قاری کی شرح موطا محمد کے قلمی نسخے ہند و پاکستان کے متعدد کتب خانوں میں ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے مولانا شبلی نعمانی کو جو اشکال کتاب الآثار امام محمد کے امام ابوحنیفہ کی طرف انتساب میں ہے وہی اشکال ملا علی قاری کو موطا امام محمد کے امام مالک کی طرف منسوب کرنے میں ہے

مقدمہ
موطا امام محمدؒ

از

محقق العصر
مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ

موطا امام محمدؒ

مترجم اردو

ایک ہزار سے زائد احادیث نبوی کا گراں بہا و بے نظیر مجموعہ

جسکو

حضرت امام مالکؒ نے دس ہزار احادیث نبوی سے منتخب فرمایا تھا

بروایت :- حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و فوائد :- خواجہ عبدالوحید صاحب

ناشران

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب

قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ موطا امام محمدؒ

از

جناب مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی

فقہ و احکام کی کتابوں میں جو اہمیت موطا کو حاصل ہے محتاج بیان نہیں، حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔

ان للموطا لوقعا فی النفوس ومھابۃ فی القلوب لا یوازنھا شئ [1]

بلاشبہ موطا کی دلوں میں جو وقعت ہے اور قلوب میں جو ہیبت ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی۔

تاہم ارباب نظر کا اس میں اختلاف ہے کہ موطا کا صحیح مقام کیا ہے حضرت امام شافعی کی رائے حسب ذیل ہے۔

ما علی ظھر الارض کتاب بعد کتاب اللہ اصح من کتاب مالک [2]

روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد کوئی کتاب مالک کی کتاب سے صحیح تر نہیں ہے۔

اور حافظ ابو زرعہ رازی المتوفی ۲۶۴ھ جو فن جرح و تعدیل کے مشہور امام ہیں یہ فرماتے ہیں۔

لو حلف رجل بالطلاق علی احادیث مالک فی الموطا انھا صحاح لم یحنث [3]

اگر کوئی شخص حلف اٹھا کر یوں کہے کہ موطا میں امام مالک کی جو حدیثیں ہیں سب صحیح نہ ہوں تو میری بیوی کو طلاق ہے تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہ ہو۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی بستان المحدثین میں امام ابو زرعہ کے اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں [4]

وایں وثوق و اعتماد بر کتب دیگر نیست

اور یہ وثوق و اعتماد دوسری کتابوں پر نہیں ہے

بعد کے علماء میں حافظ مغرب علامہ یوسف ابن عبد البر قرطبی مالکی المتوفی ۴۶۳ھ کی یہ تصریح ہے۔

الموطا لا مثیل لہ ولا کتاب فوقہ بعد کتاب اللہ عز وجل [5]

کتاب اللہ کے بعد نہ موطا کے مثل کوئی کتاب ہے اور نہ اس سے بڑھ کر

ایک دوسرے مالکی عالم حافظ ابو بکر ابن العربی المتوفی ۵۴۳ھ یہ لکھتے ہیں

ان کتاب الجعفی ھو الاصل الثانی فی ھذا الباب والموطا ھو الاصل الاول واللباب وعلیھما

جعفی (امام بخاری) کی کتاب اس فن میں اصل ثانی ہے اور موطا اصل اول اور مغز ہے اور ان ہی دونوں پر سب نے بنا

---

[1] مقدمہ التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد از مولانا محمد عبد الحی لکھنوی فرنگی محلی، بحوالہ سیر النبلاء از امام ذہبی [2] مقدمہ تنویر الحوالک شرح موطا از سیوطی، [3] تزیین الممالک بمناقب الامام مالک از سیوطی ص ۴۴ طبع خیریہ مصر ۱۳۲۵ھ [4] بستان المحدثین ص ۲ طبع مصری لاہور [5] مقدمہ التقصی لما فی الموطا من حدیث ... از حافظ ابن عبد البر ۱۲

بتام الجميع كالقشيري والترمذي [1]

رکھی ہے جیسے کہ قشیری (امام مسلم) اور ترمذی ہیں۔

ہمارے دیار کے متاخرین محدثین میں شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزند اکبر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے چنانچہ شاہ عبدالعزیز عجالۂ نافعہ میں لکھتے ہیں۔

مؤطا گویا اصل و امّ صحیحین است..... و صحیح بخاری و صحیح مسلم ہر چند در بسط و کثرت احادیث وہ چند مؤطا باشد لیکن طریق روایت احادیث و تمیز رجال و راہ اعتبار و استنباط از مؤطا آموختہ اند۔

مؤطا گویا صحیحین کی اصل اور جڑ ہے..... اور صحیح بخاری و صحیح مسلم اگرچہ بسط و کثرت احادیث کے لحاظ سے مؤطا سے دس گنی ہیں لیکن روایت حدیث کا طریقہ رجال کی تمیز اور اعتبار و استنباط کا ڈھنگ انہوں نے مؤطا ہی سے سیکھا ہے

لیکن محدثین شوافع کے نزدیک مؤطا کا درجہ صحیحین سے بڑھ کر تو کیا صحیحین کے برابر بھی نہیں وہی امام شافعی کی مذکورہ بالا تصریح تو اس کے متعلق شیخ ابن صلاح، مقدمہ علوم الحدیث میں لکھتے ہیں۔

واما ما رويناه عن الشافعي رضي الله عنه من انه قال ما اعلم في الارض كتابا في العلم اكثر صوابا من كتاب مالك ومنهم من رواه بغير هذا اللفظ فانما قال ذلك قبل وجود كتابي البخاري ومسلم

اور امام شافعی رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت ہم تک پہنچی ہے کہ انہوں نے یوں فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ روئے زمین پر کوئی کتاب ایسی علم میں مالک کی کتاب سے صحت میں زیادہ ہے اور بعض لوگوں نے اس کو امام شافعی سے دوسرے الفاظ میں بھی نقل کیا ہے سو امام ممدوح کا یہ فرمانا بخاری و مسلم کی کتابوں کے وجود میں آنے سے پہلے کا ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔

ان الشافعي اطلق على الموطا افضلية الصحة بالنسبة الى الجوامع الموجودة في زمنه كجامع سفيان الثوري ومصنف حماد بن سلمة وغير ذلك [2]

امام شافعی نے مؤطا کو جو صحت کے اعتبار سے افضل بتایا ہے وہ ان جوامع کے لحاظ سے ہے کہ جو ان کے زمانہ میں موجود تھیں جیسے کہ جامع سفیان ثوری اور مصنف حماد بن سلمہ وغیرہ

اس بنا پر ان حضرات کے خیال میں مؤطا کو کتب حدیث میں جو فوقیت حاصل ہے وہ صحاح کے اعتبار سے نہیں بلکہ مسانید و جوامع کے اعتبار سے ہے چنانچہ حافظ سیوطی، تدریب الراوی میں لکھتے ہیں —

صرح الخطيب وغيره بان الموطا مقدم على كل كتاب من الجوامع والمسانيد۔

خطیب بغدادی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ مؤطا جوامع و مسانید میں سے ہر ایک کتاب پر مقدم ہے۔

اور اس تصریح کی بنا پر مؤطا کا جو درجہ ہے وہ بقول حافظ سیوطی

فعلى هذا هو بعد صحيح الحاكم [3]

صحیح حاکم کے بعد ہے۔

---

[1] مقدمہ عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی از حافظ ابن العربی [2] جوامع سے مراد یہاں علم کی وہ کتابیں ہیں جو مسند و موقوف ہر قسم کی روایات کی جامع ہوں [3] تدریب الراوی ص ۳۲ طبع مصر ۱۳۰۷ھ یہ خیال رہے کہ تدریب میں طباعت کی غلطی سے یہاں بعد کی بجائے بعض چھپ گیا ہے۔

اب متاخرین میں یہ بحث ہے کہ صحاح ستہ میں صحیحین، سنن نسائی، سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کے علاوہ چھٹی کتاب موطا کو شمار کیا جائے یا سنن ابن ماجہ کو علامہ ابن الاثیر جزری شافعی المتوفی ۶۰۶ھ نے جامع الاصول من احادیث الرسول میں محدث رزین[1] بن معاویہ عبدری مالکی المتوفی ۵۲۵ھ مصنف التجرید للصحاح والسنن کی اتباع میں چھٹی کتاب موطا ہی کو قرار دیا ہے لیکن اکثر متاخرین کے نزدیک صحاح ستہ کی آخری کتاب موطا کی بجائے "سنن ابن ماجہ" ہی ہے چنانچہ محدث ابو الحسن سندی شرح سنن ابن ماجہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

غالب المتاخرین علی انه سادس الستة

اکثر متاخرین اس طرف ہیں کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہے۔

بہرحال صحاح ستہ میں اس کا شمار ہو یا نہ ہو اتنا ان حضرات کو بھی تسلیم ہے کہ موطا حدیث کی ان مہتم بالشان کتابوں میں سے ہے جن کی طرف اعتنا کرنا ضروری ہے چنانچہ شیخ ابن صلاح نے مقدمہ علوم الحدیث میں معرفۃ آداب طالب الحدیث کے ذیل میں جن کتابوں کی طرف خصوصیت کے ساتھ اعتنا کرنے کی ہدایت کی ہے ان میں ایک موطا بھی ہے شیخ موصوف کی عبارت اس سلسلہ میں حسب ذیل ہے۔

ولتقدم العناية بالصحيحين ثم بسنن ابي داؤد وسنن النسائي وكتاب الترمذي ضبطا لمشكلها وفهما لخفي معانيها، ولا يخدعن عن كتاب السنن الكبير للبيهقي فانا لا نعلم مثله في بابه ثم بسائر ما تمس حاجة صاحب الحديث اليه من كتب المسانيد كمسند احمد ومن كتب الجوامع المصنفة في الاحكام المشتملة على المسانيد وغيرها، وموطا مالك هو المقدم منها۔

اور سب سے پہلے صحیحین سے اعتنا کرنا چاہیے پھر سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور کتاب ترمذی سے بایں طور کہ ان کے مشکل الفاظ کو ضبط کر لے اور ان کے مخفی مطالب کو سمجھ لے اور بیہقی کی سنن کبیر سے غفلت نہ برتنا چاہیے کیونکہ اپنے موضوع پر اس کی نظیر ہمارے علم میں نہیں ہے پھر ان ساری کتابوں کے ساتھ اعتنا چاہیے جن کی محدث کو ضرورت پڑتی ہے مسانید ہوں جیسے کہ مسند امام احمد ہے کتب جوامع ہوں کہ جو احکام کے متعلق تصنیف کی گئی ہیں اور مسند وغیر مسند دونوں روایات پر مشتمل ہوتی ہیں اور انہیں امام مالک کی موطا سب سے مقدم ہے

شیخ ابن صلاح چونکہ پکے شافعی ہیں اس لیے انہوں نے مسند امام احمد بن حنبل اور موطا امام مالک سے بھی پہلے بیہقی کی سنن کبیر کی طرف توجہ دلائی ہے۔

اور محدث ابن حزم ظاہری المتوفی ۴۵۶ھ جو ارباب ظاہر کے امام ہیں انہوں نے تو موطا کا درجہ بہت ہی موخر کر دیا ہے چنانچہ مراتب الدیانہ میں ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے جو موطا کو اس فن کی اجل مصنفات میں شمار کرتے ہیں یوں رقمطراز ہیں۔

---

[1] جامع الاصول اور مشکوۃ وغیرہ میں جو رواہ رزین کے الفاظ آتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ بھی بخاری و مسلم کی طرح اپنی اسناد سے کچھ حدیثیں نقل کرتے ہیں بلکہ جیسا کہ محدث امیر یمانی نے توضیح الافکار (ج ۱ ص ۸۲، ۸۳) میں لکھا ہے یہ موطا کے مختلف نسخوں کی روایتیں ہیں۔

بلکہ سب کتابوں میں تعظیم کی سب سے زیادہ مستحق صحیح[1] بخاری، صحیح مسلم[2]، صحیح سعید بن السکن، منتقی[3] ابن جارود، اور منتقی[4] قاسم بن اصبغ ہیں، پھر ان کتابوں کے بعد کتاب ابی داؤد، کتاب[1] نسائی مصنف[2] قاسم بن اصبغ، مصنف[4] ابی جعفر طحاوی (معروف بشرح معانی الآثار) مسند[5] بزار مسند[7] ابوبکر بن ابی شیبہ، مسند عثمان بن ابی شیبہ، مسند احمد بن حنبل[9]، مسند اسحاق بن راہویہ مسند[10] طیالسی، مسند[11] حسن بن سفیان، مسند[12] ابن سنجر، مسند[13] عبداللہ بن محمد المسندی، مسند[14] یعقوب بن شیبہ، مسند[15] علی بن المدینی، مسند[16] ابن ابی عزرہ اور اسی قسم کی وہ کتابیں ہیں کہ جو صرف کلام نبوی کے لئے مختص ہیں پھر وہ کتابیں کہ جن میں کلام نبوی کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں (صحابہ و تابعین وغیرہ) کا کلام بھی موجود ہے اور ان میں وہ کتابیں زیادہ بلند پایہ ہیں صحیح روایتیں درج ہیں جیسے کہ مصنف[1] عبدالرزاق، مصنف[2] ابوبکر بن ابی شیبہ، مصنف[3] بقی بن مخلد، کتاب[4] محمد بن نصر مروزی، ابن المنذر کی کتاب[5] الاکبر، اور کتاب الاصغر، پھر مصنف[6] حماد بن سلمہ، موطا[7] مالک بن انس، موطا[8] ابن ابی ذیب، موطا ابن وہب، مصنف[9] وکیع، مصنف[6] محمد بن یوسف فریابی، مصنف[7] سعید بن منصور شمائل احمد، فقہ[8] ابی عبید اور فقہ[11] ابن ثور ہیں [1]

حافظ شمس الدین ذہبی سیر النبلاء میں ابن حزم کی اس رائے کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

قلت ما انصف ابن حزم بل رتبة الموطا ان یذکر تا والصحیحین مع سنن ابی داؤد والنسائی۔	میں کہتا ہوں ابن حزم نے انصاف سے کام نہیں لیا، بلکہ موطا کا رتبہ تو یہ تھا کہ اس کو صحیحین کے بعد سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے ساتھ ذکر کیا جاتا۔

حافظ ذہبی کے اس بیان کی روشنی میں موطا کے بارے میں خطیب بغدادی اور شیخ ابن صلاح نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس پر بھی رائے قائم کی جا سکتی ہے، اصل بات یہ ہے کہ موطا میں چونکہ مرسل[1]، منقطع اور بلاغات بھی ہیں اس لئے وہ لوگ جو حدیث مرسل کو حجت نہیں سمجھتے موطا کو صحیح ماننے کے لئے تیار نہیں چنانچہ حافظ زین الدین عراقی شافعی المتوفی سنہ ۸۰۶ھ التقیید والایضاح میں لکھتے ہیں۔

ان مالکا رحمہ اللہ لم یفرد الصحیح بل ادخل فیہ المرسل والمنقطع والبلاغات ومن بلاغاتہ احادیث لا تعرف کما ذکرہ ابن عبد البر فلم یفرد الصحیح اذا (ص ۱۳ طبع حلب سنہ ۱۳۵۰ھ)	امام مالک رحمہ اللہ نے صرف صحیح حدیثوں کو الگ نہیں کیا بلکہ اس میں مرسل، منقطع اور بلاغات کو بھی داخل کر دیا ہے اور ان کی بلاغات میں بعض ایسی حدیثیں بھی ہیں کہ جن کا پتہ نہیں چلتا جیسا کہ حافظ ابن عبد البر نے بیان کیا ہے لہٰذا ایسی صورت میں انہوں نے صرف صحیح حدیثوں کو علیحدہ نہیں کیا ہے

---

[1] ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص ۳۲، مقدمہ التعلیق الممجد بحوالہ سیر النبلاء از امام ذہبی، تذکرۃ الحفاظ ذہبی، ترجمہ ابن حزم، ج ۳

[2] مرسل وہ روایت ہے جس کو تابعی خود آنحضرت صلعم سے روایت کرے اور بیچ کے صحابی وغیرہ کا نام ذکر نہ کرے اور منقطع وہ روایت ہے جس کی سند میں بیچ کے کسی راوی کا ذکر رہ جائے اور بلاغ وہ روایت ہے جس کی مؤلف سند ذکر نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ یہ روایت مجھ کو پہنچی ہے۔

لیکن امام حافظ مغلطائی حنفی المتوفی ۷۶۲ھ پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ۔

لا فرق بين الموطا والبخاري في ذلك لوجوده ايضاً في البخاري من التعاليق ونحوها [1]

اس بارے میں موطا اور بخاری میں کوئی فرق نہیں کیونکہ یہ چیزیں تو بخاری میں بھی ہیں چنانچہ اس میں تعلیقات[2] اور اسی قسم کی چیزیں موجود ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام مغلطائی کے اس بیان پر یہ نکتہ سنجی کی ہے کہ

كتاب مالك صحيح عنده وعند من يقلده على ما اقتضاه نظره من الاحتجاج بالمرسل والمنقطع وغيرهما لا على الشرط الذي استقر عليه العمل في حد الصحة والفرق بين ما فيه من المنقطع وبين ما في البخاري ان الذي في الموطا هو كذلك مسموع لمالك غالباً وهو حجة عنده والذي في البخاري قد حذف اسناده عمداً لاغراض قررت في التعاليق [3]

امام مالک کی کتاب خود ان کے نزدیک اور انکے مقلدین کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ انکی نظر مرسل اور منقطع وغیرہ سے احتجاج کی مقتضی ہے اور صحت کی تعریف میں جس شرط پر کہ عمل قرار پایا ہے اس کے مطابق صحیح نہیں ہے اور موطا اور بخاری دونوں کی منقطع روایات میں فرق یہ ہے کہ موطا میں جو روایتیں ہیں وہ اکثر امام مالک کی اسی طرح سنی ہوئی ہیں اور بخاری میں جو روایتیں ہیں ان کی اسناد بالارادہ ان وجوہ کی بنا پر جنکی میں نے تعلیقات کے باب میں تقریر کی ہے حذف کر دی گئی ہے۔

حافظ صاحب کی اس نکتہ سنجی پر محدث صالح فلانی نے الفیہ سیوطی کے "حواشی" میں لکھا ہے کہ

وفيما قاله الحافظ من الفرق بين بلاغات الموطا ومعلقات البخاري نظر فلو امعن النظر في الموطا كما امعن النظر في البخاري لعلم انه لا فرق بينهما وما ذكره من ان مالكاً سمعها كذلك غير مسلم لانه يذكر بلاغاً في رواية يحيى مثلاً او مرسلاً فيرويه غيره عن مالك موصولاً مسنداً وما ذكر من كون مراسيل الموطا حجة

اور حافظ ابن حجر نے بلاغات موطا اور تعلیقات بخاری میں جو فرق بیان کیا ہے وہ محل نظر ہے اگر حافظ صاحب موطا کو بھی اسی طرح گہری نظر سے مطالعہ کرتے جس طرح کہ انہوں نے صحیح بخاری کا کیا ہے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ واقعی ان دونوں کتابوں میں کچھ فرق نہیں ہے اور یہ جو وہ فرماتے ہیں کہ امام مالک نے ان روایات کا اسی شکل میں سماع کیا ہے مسلم نہیں کیونکہ موطا کی ایک حدیث مثلاً یحییٰ کی روایت میں اگر بلاغاً یا مرسلاً مذکور ہوتی ہے تو دوسرے لوگ اسی حدیث کو امام مالک سے موصولاً و مسنداً بھی روایت

---

[1] تزیین الممالک از سیوطی ص۴۲ ، [2] تعلیق کے معنی ہیں روایت کے ابتدائی حصہ کو معلق چھوڑ دینا یعنی شروع کے ایک یا ایک سے زائد راویوں کو حذف کر دینا یا اسناد کو سرے سے ذکر نہ کرنا۔

[3] تزیین الممالک ص ۴۲۔

عند مالك دون غيرهم مردود بانها حجة عند الشافعي واهل الحديث لاعتضادها كلها بمسند كما ذكره ابن عبد البر والسيوطي وغيرهما وما ذكره العراقي من ان من بلاغات مالا يعرف مردود بان ابن عبد البر ذكر جميع بلاغاته ومراسيله ومنقطعاته كلها موصولة بطرق صحاح الا اربعة وقد وصل ابن الصلاح الاربعة بتاليف مستقل وهو عندي وعليه خطه فظهر بهذا ان لا فرق بين الموطا والبخاري ؎

کرتے ہیں اور جو حافظ صاحب نے کہا ہے کہ موطا کے مراسیل امام مالک کے نزدیک حجت ہیں اور دوں کے نزدیک نہیں سو قابل رد ہے اس لئے کہ یہ مراسیل امام شافعی اور محدثین کے نزدیک بھی حجت ہیں کیونکہ ان سب کی تائید مسند احادیث میں موجود ہے جیسا کہ ابن عبد البر اور سیوطی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور عراقی نے جو یہ بیان کیا ہے کہ موطا کے بعض بلاغات ایسے ہیں کہ جن کا پتہ نہیں چلتا سو یہ اس لئے قابل رد ہے کہ ابن عبد البر نے بجز چار روایتوں کے موطا کے جملہ بلاغات مراسیل اور منقطعات کو باسانید صحیحہ موصولا ذکر کیا ہے اور ان بقیہ چار کے اتصال پر بھی ابن صلاح نے ایک مستقل تالیف کی ہے جو میرے موجود ہے اور اس پر خود ان کے قلم کی تحریر بھی ہے لہذا اس سے ظاہر ہوا کہ موطا اور بخاری میں کچھ فرق نہیں ہے

لطف یہ کہ موطا کے متعلق خود حافظ صاحب کا بیان ہے کہ

صنف الامام مالك الموطا وتوخى فيه القوى من حديث اهل الحجاز ومزجه باقوال الصحابة وفتاوى التابعين ومن بعدهم۔ (مقدمہ فتح الباری)

امام مالک نے موطا تصنیف کی اور حدیث اہل حجاز میں سے قوی روایت کو تلاش کر کے اس کے ساتھ صحابہ کے اقوال اور تابعین اور علماء مابعد کے فتاوے کو بھی درج کیا۔

لیکن صرف اتنی سی بات پر کہ ان قوی روایتوں کی سند بیان کرنے کا امام مالک نے ہر جگہ التزام نہیں کیا ہے اور کچھ روایات کو مرسلاً اور منقطعاً اور بلاغاً بھی ذکر کیا ہے حافظ صاحب کو موطا کی صحت میں شبہ پڑ گیا حالانکہ حقیقت میں جب روایتیں قوی ہیں تو پھر اسناد کے ذکر کرنے یا نہ کرنے سے ان کی قوت وصحت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اسی لئے محققین کے نزدیک صحت کے لحاظ سے موطا میں اور صحیح بخاری میں کچھ فرق نہیں ہے بلکہ بنظر غور دیکھا جائے تو حسب ذیل وجوہ سے موطا کو صحیحین پر فوقیت حاصل ہے

(۱) جلالت علمی کے لحاظ سے ارباب صحاح ستہ میں سے کوئی شخص امام مالک کا ہمسر نہیں۔

(۲) امام مالک سے ان کی موطا کے روایت کرنے والے جس پایہ کے ائمہ ہیں تمام صحاح ستہ کے رواۃ میں ایک بھی اس پایہ کا نہیں یہ صحیح ہے کہ امام بخاری کے شاگرد فربری کی روایت کے مطابق ان سے صحیح بخاری

؎ الرسالۃ المستطرفہ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفہ از محمد بن جعفر کتانی ص۵ طبع بیروت ۱۳۳۲ھ

کا نوے ہزار آدمیوں نے سماع کیا ہے لیکن اگر عوام وخواص کا فرق کوئی قابل لحاظ چیز ہے تو ظاہر ہے کہ نوے ہزار عام انسانوں کی بھیڑ ان ائمہ کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے کہ جن میں سے ہر ایک آسمان علم کا آفتاب و مہتاب تھا۔

(۳) موطا کی تصنیف خیر القرون کے آخری دور میں ہوئی ہے جب کہ کبار تبع تابعین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا اور خود تبع تابعین نے جن میں ہمارے امام محمد بھی شامل ہیں[1] ان کا امام مالک سے سماع کیا ہے، اور مصنفین صحاح ستہ میں سے ایک کو بھی تبع تابعیت کا شرف حاصل نہیں ان کے شاگردوں کا تو کیا ذکر ہے

(۴) امام مالک اور اسی طرح امام ابو حنیفہ کے نزدیک راوی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس روایت کو بیان کرے وہ اسے زبانی یاد ہو لیکن امام بخاری ومسلم کے نزدیک زبانی یاد رکھنا ضروری نہیں[2]

(۵) امام مالک کسی بدعتی سے خواہ وہ کیسا ہی پاکباز اور استباز ہو حدیث لینے کے روادار نہیں برخلاف اس کے صحیحین میں مبتدعین کی روایات بشرطیکہ وہ ثقہ اور صادق اللہجہ ہوں بکثرت موجود ہیں

ہمارے خیال میں اتنی بحث موطا کے اصلی مقام کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

سبب تالیف

محدث قاضی عیاض نے مدارک میں حافظ ابو مصعب زہری سے جو امام مالک کے شاگرد خاص اور ان کی موطا کے آخری رواۃ میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے امام مالک سے فرمائش کی تھی کہ ضع کتابا للناس احملهم عليه۔ (آپ لوگوں کے لئے ایک ایسی کتاب لکھ دیجئے کہ جس پر عمل کے لئے میں انکو آمادہ کروں) امام مالک نے اس سلسلہ میں کچھ کہنا چاہا تو منصور نے پھر باصرار کہا کہ ضعه فما احد اليوم اعلم منك (آپ تصنیف فرمائیں کہ آج آپ سے بڑھ کر کوئی اور عالم نہیں) آخر امام ممدوح نے موطا کی تصنیف شروع کی لیکن ابھی اس کی تکمیل سے فراغت نہ ہوئی تھی کہ منصور نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ منصور کی وفات ۶ ذی حجہ ۱۵۸ھ کو ہوئی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد المہدی مسند خلافت پر متمکن ہوا، اور اسی کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں موطا کی تصنیف پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

موطا کی تدوین میں امام ابو حنیفہ کا تتبع

موطا کی تصنیف سے پہلے مدینہ منورہ کے مشہور فقیہ عبد العزیز بن ماجشون المتوفی ۱۶۴ھ نے بھی جو امام مالک کے معاصر تھے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی جس میں اہل مدینہ کے متفق علیہ مسائل کا ذکر تھا لیکن اس میں حدیثیں نہ تھیں

---

[1] چنانچہ محدث حاکم نیشاپوری معرفۃ علوم الحدیث میں زیر عنوان معرفۃ اتباع التابعین رقمطراز ہیں۔

ومحمد بن الحسن الشيباني ممن روى الموطا عن مالك وقد ادرك الجماعة من التابعين (ص۴۷ طبع مصر)	اور امام محمد بن حسن شیبانی ان لوگوں میں سے ہیں کہ جنہوں نے امام مالک سے موطا کو روایت کیا ہے اور تابعین کی ایک جماعت کو پایا ہے۔

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص۱۵۹ اور ص۱۶۰ ایضاً ص۱۱۹ اور ۲۰ ص۵۲ تزیین الممالک سیوطی ص۴۳

اس لئے امام مالک کو یہ کتاب چنداں پسند نہ آئی اور آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ انہوں نے کام تو اچھا کیا لیکن اگر میں لکھتا تو پہلے حدیثیں لاتا اور پھر ان کے متعلقہ مسائل کو بیان کرتا۔[1] بعد کو جب امام مالک نے مؤطا کی تصنیف کا ارادہ کیا تو یہ وہ زمانہ ہے کہ جب امام ابوحنیفہ کی تصانیف ملک میں عام ہو چکی تھیں امام مالک بھی ان کا مطالعہ کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔[2] امام ابوحنیفہ کو تمام مجتہدین میں اس بارے میں شرف اولیت حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے علم شریعت کو باقاعدہ طور پر ابواب پر مرتب فرمایا ہے اور بعد کو آنے والی تمام نسلوں نے اپنی تصانیف کی بنیاد ان ہی کی ترتیب پر رکھی ہے اور اسی لئے امام شافعی کا مشہور مقولہ ہے الناس عیال علی ابی حنیفۃ فی الفقہ (لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے بال بچے ہیں) امام ابوحنیفہ کی تصانیف میں ان کی ایک مشہور تصنیف کتاب الآثار بھی ہے جس میں امام ممدوح نے احادیث احکام کو فقہی ترتیب پر مدون فرمایا ہے یہ کتاب حسن انتخاب، خوبی ترتیب، جودت اسانید، قوت روایات اور تلقی سلف کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے اس لئے امام مالک نے مؤطا کی ترتیب میں امام ابوحنیفہ کا ہی تتبع اختیار کیا چنانچہ حافظ سیوطی کا بیان ہے کہ

من مناقب ابی حنیفۃ التی انفرد بھا انہ اول من دون علم الشریعۃ ورتبہ ابوابا ثم تبعہ مالک بن انس فی ترتیب المؤطا ولم یسبق اباحنیفۃ احد۔[3]

امام ابوحنیفہ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ متفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی پھر امام مالک بن انس نے مؤطا کی ترتیب میں ان ہی کی پیروی کی اور اس امر میں امام ابوحنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے۔

وجہ تسمیہ

امام مالک جب مؤطا کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اس کتاب کو مدینہ منورہ کے ستر فقہاء کے سامنے رکھا امام ممدوح کا بیان ہے کہ فکلھم واطأنی علیہ (سب نے اس کتاب کے سلسلہ میں میری موافقت کی) لہٰذا میں نے اس کا نام ہی مؤطا رکھ دیا یعنی وہ کتاب جس کو ہموار کیا گیا اور جس کی تنقیح کی گئی۔

موضوع کتاب

مؤطا کا موضوع فقہی احکام ہیں اس لئے محدثین کی اصطلاح میں اس کو "کتاب السنن" کہنا چاہیئے لیکن چونکہ اس میں مسند اور غیر مسند ہر قسم کی روایتیں ہیں اس لئے شیخ

---

[1] مقدمہ تنویر الحوالک از سیوطی، [2] چنانچہ قاضی ابو العباس محمد بن عبداللہ بن ابی العوام اخبار ابی حنیفہ واصحابہ میں بسند متصل امام شافعی کی زبانی حافظ عبدالعزیز دراوردی سے ناقل ہیں کہ کان مالک بن انس ینظر فی کتب ابی حنیفۃ وینتفع بھا امام مالک بن انس، امام ابوحنیفہ کی تصانیف کا مطالعہ کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے (ملاحظہ ہو اقوام المسالک فی بحث روایۃ مالک عن ابی حنیفہ و روایۃ ابی حنیفہ عن مالک از محمد زاہد کوثری)

[3] تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ از سیوطی ص ٣٦ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ١٢

ابن صلاح وغیرہ نے اس کو "جوامع" میں شمار کیا ہے۔ امام مالک نے موطا میں کتاب الآثار کی طرح احادیث صحاح کو بنائے اول اور آثار صحابہ و فتاوے تابعین کو بنائے ثانی قرار دیا ہے

موطا کے نسخے

اس زمانہ میں تالیف کا طریقہ یہ نہ تھا جو بعد کے دور میں پیدا ہوا کہ مصنف اپنی کتاب کو مرتب کر کے یکبارگی لوگوں کے حوالہ کر دیتا ہے بلکہ اس عہد میں سماع کا طریقہ مروج تھا اور مصنف یادداشت کی غرض سے تاکہ سنانے میں غلطی نہ واقع ہو ایک نوشتہ مرتب کر لیتا اور لوگوں کو لکھوا دیا کرتا تھا اسی لئے بسا اوقات نظر ثانی کے وقت کتاب کی ترتیب بدل جاتی ابواب میں تقدیم و تاخیر یا روایات میں وقف و ارسال اور رفع و اتصال کا فرق ہو جاتا یا بعض ابواب میں کمی بیشی ہو جاتی، غرض اس دور کی کتابوں میں جو نسخوں کا اختلاف ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے موطا کو امام مالک سے بہت سے لوگوں نے مختلف زمانوں میں حاصل کیا ہے اس لئے اس کے نسخوں میں اس اختلاف کا ہونا لازمی ہے۔

امام مالک سے جن لوگوں نے موطا کی روایت کی ہے ان کی مجموعی تعداد حسب تصریح حافظ ابن ناصر الدین دمشقی اناسی ہے چنانچہ حافظ موصوف نے اپنی کتاب اتحاف السالک برواۃ الموطا عن الامام مالک میں ان سب کو نام بنام بقید نسب شمار کرایا ہے[1] پھر ان میں سے جن حضرات کے نسخوں کی روایتیں بعد تک جاری رہیں وہ چوبیس بزرگ ہیں جن کی احادیث و روایت کا سلسلہ محدثین کے "اثبات" میں ملتا ہے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں ان میں سے سولہ نسخوں کی تفصیل بھی دی ہے محدث رزین عبدری نے اپنی کتاب التجرید للصحاح والسنن میں حافظ ابن شاہین اور دارقطنی نے اختلاف نسخ الموطا کے نام سے جو کتابیں لکھی ہیں ان سے موطا کے تمام مختلف نسخوں کی روایتوں کو نقل کر دیا ہے اور یہی وہ روایتیں ہیں جو جامع الاصول اور مشکوٰۃ المصابیح میں رزین کے حوالے درج ہیں یہ سب روایتیں صحیح ہیں اور موطا کے مختلف نسخوں میں مذکور ہیں[2] لیکن عرصہ ہوا کہ ان میں اکثر نسخے ناپید ہو چکے البتہ موطا روایت عبداللہ بن وہب کا قلمی نسخہ استنبول کے کتب خانہ فیض اللہ اور کتب خانہ ولی الدین میں اور موطا بروایت سوید بن سعید اور موطا بروایت ابو مصعب زہری ان دونوں کتابوں کے قلمی نسخے دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں آج تک محفوظ ہیں اور ان سب نسخوں میں متداول ترین اور مشہور ترین یہ دو نسخے ہیں (۱) موطا بروایت امام محمد (۲) موطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی لیثی چنانچہ محدث ناقد شیخ محمد زاہد کوثری اپنے مقالات میں رقمطراز ہیں،

اشهر روايات في هذا العصر رواية محمد بن الحسن بين المشارقة ورواية يحيى الليثي بين المغاربة	اس دور میں موطا کی مشہور ترین روایت اہل مشرق میں امام محمد بن حسن کی روایت ہے اور اہل مغرب میں یحییٰ لیثی کی رائے روایت کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں

---

۱ ملاحظہ ہو تزیین الممالک ص ۵۲ و ۵۳، ۲ ملاحظہ ہو وضح الافکار لمعانی تنقیح الانظار از محدث امیر یمانی ج ۱ ص ۸۲/۸۳ طبع مصر ۱۳۶۶ھ

فالاولى تمتاز ببيان ما اخذ به اهل العراق من احاديث اهل الحجاز المدونة في الموطا وما لم يأخذوا به لادلة اخرى ساقها محمد في موطئه وهي فائقة الحسن يفيد المقارنة بين آراء اهل المدينة وآراء اهل العراق وبين ادلة الفريقين والثانية تمتاز عن نسخ الموطا كلها باحتوائها على آراء مالك البالغة نحو ثلاث آلاف مسئلة في ابواب الفقه وهاتان الروايتان في غاية الكثرة في خزانات العالم شرقاً وغرباً [1]

اہل عراق نے موطا میں مدونہ جن احادیث اہل حجاز کو لیا ہے اور جن کو دوسرے دلائل کی بنا پر جو امام محمد اپنی موطا میں لائے ہیں نہیں لیا ہے ان کا بیان ہے اور یہ چیز ان لوگوں کے لئے نہایت مفید ہے کہ جو اہل مدینہ اور اہل عراق کے اجتہادی مسائل اور فریقین کے دلائل کا باہم موازنہ کرنا چاہتے ہیں اور دوسری روایت موطا کے تمام روایتوں میں اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ وہ تین ہزار کے قریب امام مالک کے ان اجتہادی مسائل پر مشتمل ہے جن کا تعلق فقہ کے مختلف ابواب سے ہے اور یہ دونوں روائتیں دنیا کے کتب خانوں میں شرقاً غرباً نہایت کثرت سے موجود ہیں۔

موطا امام محمد

واقعہ یہ ہے کہ امام مالک کے زمانہ تک مدینہ منورہ خود دار العلم تھا اس لئے امام ممدوح نے طلب علم کے لئے کبھی دوسرے شہروں کا سفر نہیں کیا جس طرح کہ ان کے معاصرین میں امام مسعر بن کدام کوفی المتوفی ۱۵۵ھ نے طلب حدیث کے لئے کبھی کوفہ سے باہر قدم نہیں نکالا[2] کیونکہ وہ بھی اس زمانے میں حدیث و روایت کا مخزن تھا اور گو اس وقت تمام بلاد اسلامیہ میں ارباب فتویٰ اور اہل روایت موجود تھے تاہم مدینہ اور کوفہ کو فقہ و اجتہاد میں مرکزیت حاصل تھی چنانچہ حافظ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں بسند متصل امام عبداللہ بن وہب کی زبانی جو امام مالک کے مخصوص تلامذہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں ناقل ہیں کہ ایک بار کسی نے امام مالک سے ایک مسئلہ دریافت کیا انہوں نے اس مسئلہ کا جواب دیا اس پر سائل کی زبان سے نقل گیا کہ اہل شام تو اس مسئلہ میں آپ کے مخالف ہیں اور اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں امام مالک نے فرمایا۔

متى كان هذا الشأن بالشام انما هذا الشأن وقف على اهل المدينة والكوفة [3]

اہل شام کی یہ شان کب سے ہو گی یہ شان تو صرف اہل مدینہ اور اہل کوفہ کی ہے۔

اسی لئے بنیادی طور پر فقہ و اجتہاد کے مکتب خیال در اصل دو ہی خیال کئے جاتے ہیں ایک عراقی دوسرے حجازی، امام اعظم ابو حنیفہ کوفی پہلے مکتب خیال کے ترجمان ہیں اور امام دار الہجرۃ مالک بن انس مدنی دوسرے کے پہلے مکتب خیال کا سلسلہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے چلتا ہے جو مدینہ سے

---

[1] مقالات الکوثری ص ۷۰،۹ مطبع مصر ۱۳۷۲ھ، [2] چنانچہ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے ترجمہ میں امام یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ لم یرحل مسعر فی حدیث قط (مسعر نے کبھی ایک حدیث کے لئے بھی سفر نہیں کیا)، [3] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۵۵ مطبع منیریہ مصر ۱۲

کوفہ منتقل ہوگئے تھے اور وہیں ان کے علم کی عام اشاعت ہوئی امام مالک نے چونکہ طلب حدیث کے لئے سفر نہیں کیا اس لئے اس سلسلہ کے بزرگوں سے ان کو بہت کم اخذ و استفادہ کا موقع ملا یہی وجہ ہے کہ موطا میں مدنی شیوخ کے علاوہ اور لوگوں کی روائتیں برائے نام ہیں خلیفہ ہارون الرشید نے ایک مرتبہ امام ممدوح سے اس کا شکوہ بھی کیا تھا کہ آپ کی کتابوں میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روائتیں ہماری نظر سے نہیں گزریں امام مالک نے فرمایا۔

لم یکونا ببلدی ولم القی رجالہما [1]

یہ دونوں بزرگ ہمارے شہر میں نہ تھے اور نہ ان کے لوگوں سے میری ملاقات ہو سکی

یہ واضح رہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روائتیں موطا میں ان دونوں حضرات کی روایات سے کم ہیں جس کی وجہ یہ ہے جو امام ممدوح نے حضرت علی کی روایات کے متعلق بیان فرمائی ہے ہاں الجواہر المضیئہ میں عبد اللہ بن ادریس اودی کوفی کے ترجمہ میں جو امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں سے ہیں حافظ عبد القادر قرشی کی یہ تصریح ہم کو ملتی ہے کہ۔

وقد قیل ان جمیع ما یرویہ مالک فی الموطا فیما یبلغنی عن علی غیر مسند انما سمعہا من ابن ادریس۔

بیان کیا جاتا ہے کہ وہ تمام روایات جن کو امام مالک موطا میں بلغنی عن علی کہہ کر مرسلاً روایت کرتے ہیں وہ سب انہوں نے ابن ادریس سے سنی ہیں۔

اور قاضی عیاض کی تصریح کے مطابق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جتنی بلاغات موطا میں ہیں وہ بھی انہی سے سنی ہوئی ہیں [2] غرض یہ وجہ ہے کہ موطا میں اہل عراق کی روائتیں درج نہ ہو سکیں لیکن امام محمد نے اپنی روایت میں اس کمی کو پورا کر دیا ہے وہ اپنے نسخے میں بالالتزام ہر روایت کے متعلق اپنا اور اپنے استاذ امام ابو حنیفہ کا مسلک بیان کرتے ہیں اور جہاں اختلافی مسائل آتے ہیں وہاں اہل عراق کے دلائل بہ تفصیل ذکر کرتے ہیں اسی لئے ان کے نسخے میں امام مالک کے علاوہ اور بھی بہت سے شیوخ سے حدیثیں منقول ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب موطا امام مالک کی بجائے موطائے امام محمد کے نام سے مشہور ہے چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی، شرح سفر السعادت میں لکھتے ہیں۔

و از موطائے امام محمد نیز احادیث آوردہ شد و آن حکم موطائے مالک دارد کہ کل او است چہ امام محمد، موطا از امام مالک شنیدہ و آنچہ متعلق بمذہب حنفیہ است جدا نوشتہ، موطائے امام محمد کہ گویند این است [3]

اور موطائے امام محمد سے بھی اس کتاب میں حدیثیں لائی گئی ہیں اور یہ موطائے امام محمد بھی کا حکم رکھتی ہے کیونکہ یہ تمام تر وہی کتاب ہے بایں طور کہ امام محمد نے موطا کو امام مالک سے سنا اور جو کچھ حنفی مذہب سے متعلق تھا اس کو جدا لکھا، موطائے امام محمد جس کو کہتے ہیں یہ ہے۔

[1] تزیین الممالک از سیوطی [2] خاتمہ اسعاف المبطا برجال الموطا از سیوطی [3] شرح سفر السعادت ص ۱۲ طبع نول کشور لکھنؤ ۱۲

اس کتاب کی تالیف میں امام محمدؒ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱) ترجمۃ الباب کے متصل سب سے پہلے امام مالکؒ کی روایت درج کرتے ہیں پھر وبھذا نأخذ (اور اسی کو ہم لیتے ہیں) کہہ کر کبھی اس روایت کے قابل عمل ہونے کی مزید تفصیل دیتے ہیں اور کبھی صرف انہی الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں یہ الفاظ جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے اس روایت کے مفتیٰ بہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور در صورت اختلاف دوسرے شیوخ کی حدیثیں پیش کرکے اس روایت پر عمل نہ کرنے کی وجوہ بتلاتے ہیں۔

(۲) اپنے شیوخ سے حدیثیں روایت کرتے وقت امام محمدؒ ہمیشہ اخبرنا کا صیغہ استعمال کرتے ہیں سمعت اور حدثنا وغیرہ نہیں کہتے یہ متقدمین کا طریقہ ہے ان کے یہاں قرأت اور سماع دونوں کے لئے یہ الفاظ مستعمل تھے لیکن متاخرین میں عام طور پر قرأت کے لئے اخبرنا اور سماع کے لئے سمعت اور حدثنا کے الفاظ رائج ہیں۔

(۳) ہر مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا قول بالالتزام ذکر کرتے ہیں اور جہاں ضرورت محسوس کرتے ہیں امام ابوحنیفہ کے قول کے بعد یہ بھی تصریح کر دیتے ہیں کہ والعامۃ من فقہائنا۔ (یعنی ہمارے عام فقہا کا بھی یہی قول ہے) یہاں فقہاء سے مراد "فقہاء عراق" اور عامہ سے مراد ان کی اکثریت ہے اور کبھی اس سلسلہ میں صرف ابراہیم نخعی کا مذہب بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن کی حیثیت اہل عراق میں وہی ہے جو سعید بن المسیب کی اہل حجاز میں اور کبھی مناسب سمجھتے ہیں تو امام ابوحنیفہ کے قول کے ساتھ امام مالک وغیرہ کا قول بھی نقل کر دیتے ہیں۔

(۴) کہیں کہیں امام محمدؒ نے اس کتاب میں کسی مسئلہ کے متعلق هذا جميل یا هذا حسن وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں اس سے مراد استحباب نہیں بلکہ صرف عدم وجوب ہے عام اس سے کہ وہ سنت موکدہ ہو یا غیر موکدہ اسی طرح لا بأس سے اس کتاب میں صرف نفس جواز مراد ہے کراہت تنزیہی نہیں، چنانچہ تراویح کی بحث میں امام محمدؒ نے یہی الفاظ استعمال کئے ہیں حالانکہ وہ سنت موکدہ ہے اسی طرح ینبغی کا استعمال بھی امام ممدوح نے واجب اور سنت موکدہ دونوں کے لئے کیا ہے بہر حال ناظرین کو غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے متاخرین کی اصطلاح میں ان الفاظ کے جو معانی آتے ہیں امام محمدؒ نے ان معانی میں ان الفاظ کو استعمال نہیں کیا ہے اسی طرح لفظ اثر کا استعمال بھی قدماء کے یہاں مرفوع، موقوف، مقطوع ہر روایت کے لئے عام ہے یاد رہے کہ امام محمدؒ نے بھی اس کے عام معنی ہی میں اسکو رکھا ہے لیکن متاخرین میں بعض لوگ حدیث مرفوع کے لئے "اثر" کا لفظ استعمال نہیں کرتے ہیں۔

تعداد مرویات

اس کتاب میں کل ایک ہزار ایک سو اسی (۱۱۸۰) روایتیں ہیں اس تعداد میں مرفوع موقوف مسند غیر مسند وغیرہ جملہ مرویات داخل ہیں منجملہ ان کے امام مالکؒ کی ایک ہزار پانچ (۱۰۰۵) اور بقیہ شیوخ کی ایک سو پچھتر ہیں جن میں سے امام ابوحنیفہؒ سے تیرہ (۱۳) اور امام ابو یوسفؒ سے چار روایتیں منقول ہیں۔

موطا امام محمد میں کوئی موضوع حدیث نہیں ہے

یہ واضح رہے کہ اس کتاب میں کوئی موضوع حدیث نہیں ہے البتہ حافظ ابن حزم ظاہری نے اپنی کتاب مراتب الدیانہ میں تصریح کی ہے کہ

فیہ نیف وسبعون حدیثا قد ترک مالک نفسہ العمل بہا وفیہ احادیث ضعیفۃ وہاہا جمہور العلماء [1]

موطا میں ستر سے اوپر ایسی حدیثیں ہیں جن پر خود امام مالک نے عمل نہیں کیا ہے اور اس میں ضعیف احادیث بھی ہیں جن کو جمہور علماء نے کمزور بتلایا ہے۔

لیکن یہ روایتیں چونکہ دوسری کتابوں میں طرق صحیحہ سے مروی ہیں اس لئے انکا ضعف کچھ مضر نہیں رہا کسی حدیث پر مجتہد کا عمل نہ کرنا اس کی مختلف وجہیں ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ وہ حدیث منسوخ ہو یا ماؤل ہو یا دوسری روایات قویہ کے مقابلہ میں مرجوح ہو امام ابو حنیفہ نے موطا کی جن روایات پر عمل نہیں کیا ہے ان کی تعداد بھی کم وبیش اسی کے قریب قریب ہے جس کے وجوہ اس کتاب میں خود آپ کی نظر سے گزریں گے۔

یہ واضح رہے کہ موطا امام محمد کے مطبوعہ نسخے میں باب صلوٰۃ القاعد میں جو یہ روایت مذکور ہے قال محمد حدثنا بشر حدثنا احمد اخبرنا اسرائیل بن یونس بن ابی اسحق السبیعی عن جابر بن یزید الجعفی عن عامر الشعبی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن الناس احد بعدی جالسا اس روایت میں احمد اور اسرائیل کے درمیان محمد کا لفظ رہ گیا ہے اصل سند یوں ہے قال محمد حدثنا بشر حدثنا احمد حدثنا محمد اخبرنا اسرائیل الخ چنانچہ موطا امام محمد کا جو قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں نمبر ۴۳ پر محفوظ ہے اس میں اس جگہ امام محمد کا اضافہ موجود ہے اور یہ محمد جو ابتدا سند میں مذکور ہیں یہ ابو علی صواف ہیں جو اس نسخہ کے راوی ہیں یہ چوتھی صدی کے آدمی ہیں اور انکے شیخ بشر بن موسےٰ اسدی مشہور حافظ حدیث ہیں حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا مفصل ترجمہ لکھا ہے اور بشر کے شیخ احمد یہ وہی احمد بن مہران نسوی ہیں جو امام محمد کے شاگرد اور ان سے موطا کے راوی ہیں یہ سارا سلسلہ سند ابھی موطا امام محمد کا حسن قبول کے زیر عنوان آنے والا ہے اسی طرح باب القراءۃ فی الصلوٰۃ خلف الامام میں جو یہ روایت درج ہے قال محمد حدثنا الشیخ ابو علی قال حدثنا محمود بن محمد المروزی قال حدثنا سہل بن العباس الترمذی قال اخبرنا اسمعیل بن علیۃ عن ایوب عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی خلف الامام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ اس میں بھی قال محمد سے امام محمد مراد نہیں بلکہ ابو علی صواف کا شاگرد مراد ہے یہ حدیث تاریخ بغداد (ج ۱۳ ص ۹۴) میں موجود ہے یہ روایت دراصل شیخ ابو علی صواف کے قریبی نسخہ کے حاشیہ کی ہے جسکو کسی کاتب نے غلطی سے اصل متن میں درج کر دیا ہے موطا امام محمد کا قلمی نسخہ جو دار الکتب میں ۲۲۱ پر موجود ہے اور محدث امیر کاتب اتقانی کے نسخہ سے منقول ہے اس میں یہ حدیث اسی طرح حاشیہ پر درج ہے [2]

موطا امام محمد کا موطا کے دوسرے نسخوں سے موازنہ

موطا کو امام مالک سے اگرچہ بڑے بڑے فقہا ومحدثین نے روایت کیا ہے جن میں امام شافعی، عبد الرحمٰن بن مہدی، معن بن عیسےٰ، عبد اللہ بن یوسف تنیسی، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری عبد اللہ بن مسلمہ قعنبی اور قتیبہ بن سعید خاص طور پر قابل ذکر ہیں لیکن آج دنیائے علوم میں ان میں کسی ایک کے نسخہ کا پتہ نہیں سب یوں سے جن حضرات کی روایت کو شہرت اور قبول عام حاصل ہے وہ صرف یہ دو بزرگ

[1] مقدمہ تنویر الحوالک ص ۵ [2] ملاحظہ ہو بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی ص ۶۶ طبع مصر ۱۳۵۵ھ۔

ہیں ایک امام محمدؒ دوسرے فقیہ یحییٰ بن یحییٰ اندلسی مالکی المتوفی ۲۳۴ھ اور آج موطا امام مالک کے نام سے جس کتاب کیطرف ذہن منتقل ہوتا ہے وہ یہی یحییٰ کی روایت ہے لیکن امام محمدؒ کی روایت کو فقیہ یحییٰ کی روایت پر حسب ذیل وجوہ سے ترجیح حاصل ہے

(۱) جلالت شان اور فقاہت کے لحاظ سے موطا کے تمام رواۃ میں امام محمدؒ کا کوئی ہمسر نہیں۔

(۲) امام محمدؒ نہ صرف محدث بلکہ حسب تصریح دارقطنی حفاظ حدیث میں محسوب ہیں اور فقیہ یحییٰ اگرچہ ثقہ اور عاقل تھے لیکن اس فن کے مرد میدان نہ تھے چنانچہ انکے متعلق خود مالکی مذہب کے مشہور عالم حافظ ابن عبد البر کی یہ تصریح ہے کہ ولم یکن له بصر بالحدیث[1] (ان کو علم حدیث میں بصیرت نہ تھی)

(۳) موطا کی روایت میں یحییٰ سے متعدد جگہ غلطیاں بھی ہوگئی ہیں چنانچہ محدث عبد الباقی زرقانی مالکی انکے ترجمہ میں لکھتے ہیں فقیه قلیل الحدیث له اوهام[2] (یہ فقیہ اور ثقہ ہیں قلیل الحدیث تھے اور روایات حدیث میں ان سے کچھ اوہام بھی ہوگئے ہیں) برخلاف اس کے امام محمدؒ کے متعلق حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں تصریح کی ہے کہ وکان من بحور العلم والفقه قویا فی مالک (علم و فقہ کے سمندروں میں سے تھے اور جو امام مالک سے روایت کرتے ہیں اس میں قوی ہیں)

(۴) امام محمدؒ طبقہ کے اعتبار سے یحییٰ سے اعلیٰ ہیں کیونکہ وہ حسب تصریح محدث حاکم نیشاپوری اتباع تابعین میں سے ہیں اور انہوں نے تابعین کرام کی ایک جماعت سے فیض اٹھایا ہے فقیہ یحییٰ لیثی کو یہ شرف حاصل نہیں۔

(۵) فقیہ یحییٰ کو امام مالک سے پوری موطا کے پڑھنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ یہ جس سال امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے اسی سال امام ممدوح کا انتقال ہوگیا اسی لئے یحییٰ کے نسخے میں تمام روایتیں عن مالک سے شروع ہوتی ہیں لیکن باب خروج المعتکف للعید فیها الاعتکاف اور ما جاء فی لیلة القدر میں حدثنی زیاد عن مالک ہے یعنی یہ ابواب انہوں نے مالک سے نہیں بلکہ انکے شاگرد زیاد سے پڑھے ہیں لیکن امام محمدؒ نے پوری موطا کو بھی امام مالک سے سنا ہے۔

(۶) امام محمدؒ نے امام مالک کی خدمت میں مسلسل تین سال گزارے ہیں اور امام یحییٰ کو جیسا کہ ابھی آپکی نظر سے گزرا امام محمدؒ کی نسبت استفادہ اور امام ہی حاضری کا بہت کم موقع ملا اور یہ ظاہر ہے کہ طویل الصحبت کی روایت کو قلیل الملازمت کی روایت پر ترجیح ہے

(۷) امام مالک کے یہاں درس کا عام طریقہ یہ تھا کہ شاگرد پڑھتے اور وہ خود سنتے تھے لیکن امام محمدؒ کو اس بارہ خاص میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے امام مالک کی حدیثیں خود انکی زبان سے سنی ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی تعجیل المنفعة بزوائد رجال الائمة الاربعة میں امام محمدؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ

قال محمد بن عبد الله بن عبد الحكم سمعت الشافعي يقول قال لي محمد بن الحسن اقمت على باب مالك ثلاث سنين وكذا سمعت من لفظه اكثر[3] من سبعمائة حديث انتهى وكان مالك لا يحدث من لفظه الا قليلا

محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے سنا کہ مجھ سے امام محمد بن حسن نے فرمایا کہ میں تین سال تک امام مالک کے آستانہ پر مقیم رہا ہوں اور میں نے خود ان کی زبان مبارک سے سات سو سے زیادہ حدیثیں سنی ہیں (حافظ ابن حجر کہتے ہیں) کہ امام مالک اپنی زبان سے حدیثیں کم بیان کرتے تھے

---

[1] الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء از ابن عبد البر [2] ملاحظہ ہو مقدمۃ التعلیق الممجد از فاضل لکھنوی [3] تعجیل المنفعہ میں واکثر کا لفظ کتابت کی غلطی سے رہ گیا ہے لیکن دوسری کتب رجال میں اس روایت کے اندر یہ الفاظ موجود ہیں ملاحظہ ہو لسان المیزان ، تعجیل المنفعہ ، الانتقاء

فلولا طول اقامة محمد عنده وتمكنه منه ما حصل له عنه هذا، وهو احد رواة الموطأ عنه وفي جمعه حديثه عن مالك واورد فيه ما يخالفه وهو الموطأ المسموع من طريقه۔

اسلئے اگر امام محمد کا انکے پاس طویل قیام نہ ہوتا اور انہیں اس کا بخوبی موقع نہ ملتا تو یہ بات انہیں حاصل نہیں ہوسکتی تھی امام محمد بھی موطا کے ایک راوی ہیں انہوں نے امام مالک کی حدیثوں کو جمع کرکے جو روایتیں انکے خلاف تھیں انکو بھی بیان کیا ہے اور یہی وہ موطا ہے جس کا سماع ان کے طریقہ سے ہے۔

(۴) یحییٰ کی روایت میں بہت سے ابواب حدیثوں سے خالی ہیں اور انہیں صرف امام مالک کے اجتہادی مسائل کا تذکرہ ہے لیکن موطا امام محمد کا کوئی باب ایسا نہیں کہ جس میں کوئی حدیث یا اثر موجود نہ ہو۔

(۵) یحییٰ کے نسخہ صرف امام مالک کی روایات تک محدود ہے اور امام محمد کی موطا میں امام مالک کے علاوہ دوسرے شیوخ کی حدیثیں بھی مندرج ہیں۔

(۶) امام محمد کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نسخہ میں موطا کی تمام احادیث کے معمول بہ ہونے یا نہ ہونے کو بتا دیا ہے اور اختلافی مسائل میں طرفین کے دلائل کا نہایت خوبی سے موازنہ کیا ہے بقیہ نسخوں میں یہ بات نہیں ہے چنانچہ محدث کوثری فرماتے ہیں

ان عمل محمد في الموطأ يعد عملا جليلا جدا عند من يعنى باحاديث الاحكام، على ان احاديث الحجاز كانت مشتركة بين علماء الامصار معلومة لهم مروية عندهم لكثرة حجهم ونهادتهم لا يفوتهم شيء منها في الغالب انما المهم معرفة ما اذا كانوا اخذوا بتلك الاحاديث ام تركوها لادلة اخرى فقام محمد في موطئه بتعريف ذلك فيميز بين مواطن الاخذ كما بين مواضع الترك بادلته [1]

جن لوگوں کو احادیث احکام کے ساتھ اعتناء ہے انکے نزدیک موطا میں امام محمد کا یہ کارنامہ نہایت شاندار کارنامہ شمار کیا جاتا ہے علاوہ ازیں حجاز کی حدیثیں بلاد اسلامیہ کے علماء میں مشترک و سب انکے علم میں تھیں اور انکے یہاں بھی انکی روایت جاری تھی جسکی وجہ حج و زیارت کے سلسلہ میں کثرت سے علماء کی آمد و رفت تھی بدیں وجہ حجاز کی کوئی روایت اکثر انسے چھوٹتی نہ تھی اور اہم انکے لئے صرف اس بات کا جاننا تھا کہ وہ ان حدیثوں کو لیتے ہیں یا دوسرے دلائل کی بنا پر انکو چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ امام محمد نے اپنی موطا میں یہی کام انجام دیا ہے کہ ان تمام مقامات کو بتا دیا ہے کہ جہاں ان روایتوں کو لیا ہے اور جہاں دوسرے دلائل کی بنا پر انکو چھوڑ دیا گیا ہے

موطا امام محمد کا حسن قبول | امام مالک کی وفات کے بعد جب کوفہ میں امام محمد موطا کا درس دیتے تھے تو حاضرین کی کثرت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ ان کے یہاں آنیکے راستے بند ہو جاتے تھے [2] موطا کی عراق میں بھی مقبولیت کچھ کم درجہ مالکی کی نہ تھی۔

ومما به اهل الحجاز تفاخروا ان الموطا في العراق محبب [3]

(اور منجملہ ان باتوں کے جن پر اہل حجاز کو فخر ہے ایک یہ بھی ہے کہ موطا عراق میں محبوب ہے)

موطا امام محمد کی روایت کا سلسلہ اندلس سے لیکر خراسان و ماوراء النہر تک جاری تھا چنانچہ اندلس کے مشہور عالم قاضی ابوالولید باجی مالکی المتوفی ۴۷۴ھ اپنی شرح موطا میں رقمطراز ہیں کہ

اخذ عنه محمد بن الحسن الموطا وهو ممن ...

امام ابن الحسن نے امام مالک سے موطا کی تحصیل کی ہے اور یہ ...

---

[1] بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی ص ۵ [2] البیان ص ... [3] ما تمس الیہ الحاجۃ ج ۲ ص ... سیوطی نے مقدمہ تنویر الحوالک میں ... قصیدہ نقل کیا ہے جو کہ موطا کی تعریف میں ہے یہ شعر اسی قصیدہ کا ہے ۱۲

اروبہ عن ابی ذر عبد بن احمد [1] اس کو (حافظ) ابو ذر عبد بن احمد سے روایت کرتا ہوں۔

اور خراسان و ماوراء النہر کے مشہور امام شیخ الاسلام علی بن ابی بکر مرغینانی مصنف ہدایہ المتوفی ۵۹۳ھ موطائے امام محمد کو اس سند سے روایت کرتے ہیں عن الحمام نجم الدین عمر النسفی الحنفی شارح البخاری عن الامام الحسن بن محمد بن منصور کالحارثی عن ابی الفضل احمد بن خیرون عن ابی طاہر عبد الغفار المؤدب عن ابی علی الصواف عن ابی علی بشر بن موسیٰ عن ابی جعفر احمد بن محمد بن مہران عن محمد بن الحسن الامام [2] محدثین میں موطا امام محمد کو علو اسناد کے ساتھ روایت نہ کرنا اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الدرر الکامنہ میں محدث امیر کاتب اتقانی صاحب غایۃ البیان شرح ہدایہ پر یہ ریمارک کیا ہے کہ۔

حدث بالموطا بروایۃ محمد باسناد نازل جداً [3] انہوں نے موطا بروایت امام محمد کو نہایت ہی نازل اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

محدث ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ حنفی کہ علامہ ابراہیم بیری زادہ المتوفی ۱۰۹۹ھ شیخ عثمان کماخی فاضل لکھنوی مولانا محمد عبد الحیی فرنگی محلی المتوفی ۱۳۰۴ھ نے موطا امام محمد پر شرحیں لکھی ہیں محدث ملا علی قاری کی شرح کا نام فتح المغطا بشرح الموطا ہے اسکے قلمی نسخے ہند و پاک کے متعدد کتبخانوں میں ہماری نظر سے گزرے ہیں علامہ بیری زادہ کی شرح نہایت مبسوط ہے دو جلدوں میں تقریباً ایک ہزار صفحات پر ہے اسکا عکسی فوٹو جو استنبول سے حاصل کیا گیا ہے مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے اور فاضل لکھنوی کی شرح جسکا نام التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد ہے نہایت مشہور و متداول ہے اور بارہا طبع ہو چکی ہے اور موطا امام محمد میں جن لوگوں سے حدیثیں مروی ہیں ان کے حالات میں حافظ قاسم بن قطلوبغا حنفی المتوفی ۸۷۹ھ نے ایک مستقل کتاب علیحدہ تصنیف فرمائی ہے۔

امام محمد رح

نام محمد، ابو عبد اللہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی، بعض علماء کا خیال ہے کہ شیبانی ان کی نسلی نسبت ہے لیکن اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ نسبت ولاء ہے انکا خاندان جزیرہ کا تھا ان کے والد وطن چھوڑ کر شامی فوج میں داخل ہو گئے تھے اور حرستا نامی گاؤں میں جو دمشق کے مضافات میں تھا بود و باش اختیار کر لی تھی یہاں حق تعالیٰ نے انکو بڑی ثروت عطا فرمائی پھر بنو امیہ کے آخری دور میں عراق منتقل ہو گئے امام محمد کی ولادت ۱۳۱ھ میں واسط میں ہوئی جو عراق کا مشہور شہر ہے پھر انکے والد یہاں سے انکو لیکر کوفہ چلے آئے اور یہیں انکی نشو و نما ہوئی امام محمد کا بیان ہے کہ

خلف ابی ثلاثین الف درهم فانفقت خمسة عشر الفا على النحو والشعر وخمسة عشر الفا على الحديث والفقه [4] میرے والد بزرگوار نے تیس ہزار درہم چھوڑے تھے میں نے پندرہ ہزار تو نحو اور شعر پر خرچ کئے اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ پر

بڑے بڑے فقہاء و محدثین سے علم کی تحصیل کی حافظ ابن حجر تعجیل المنفعہ میں لکھتے ہیں

ولازم اباحنيفة وحمل عنه الفقه والحديث وسمع ايضا سفيان الثوري وقيس بن الربيع وعمر بن [5] امام ابو حنیفہ کی ملازمت اختیار کی اور ان سے فقہ و حدیث کی تحصیل کی نیز سفیان ثوری، قیس بن الربیع، عمر بن ذر اور مسعر وغیرہ

[1] شرح موطا از ہاشمی ج ۱ ص ۳ طبع مصر [2] پوری سند الجواہر المضیئہ میں امام احمد بخاری کے ترجمہ میں مذکور ہے بخاری کے شاگرد عمر نسفی مفتی الثقلین ہیں اور عمر نسفی کی جملہ مرویات و مسموعات کی اجازت صاحب ہدایہ کو حاصل ہو گئی ہو سنا ہیں جتنے کم واسطے ہونگے اتنی وہ عالی ہوگی اور جتنے زیادہ ہونگے اتنی نازل ہوگی [5] مناقب ابی حنیفہ و صاحبیہ از ذہبی ص ۵۰ طبع مصر ۱۲

وبمصر وغيرهم وسمع بالشام من الاوزاعي وغيرهم — مصر وغیرہ کے محدثین سے، اور شام میں اوزاعی وغیرہ سے حدیث کی سماعت

وبالمدينة عن مالك وغيره (ترجمہ امام محمد) — کی اور مدینہ میں امام مالک وغیرہ سے

امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد فقہ کی تکمیل امام ابو یوسف کی خدمت میں رہ کر کی، حافظ ذہبی کے الفاظ ہیں۔

ثم لازم ابا يوسف من بعده حتى برع في الفقه [1] — امام ابوحنیفہ کے بعد امام ابو یوسف کی ملازمت میں رہے یہاں تک کہ فقہ میں کمال پیدا کیا

حافظ ابن حجر عسقلانی نے الایثار بمعرفۃ رواۃ الآثار [2] میں تصریح کی ہے کہ کان من افراد الدهر في الذكاء، ذکاوت میں یگانۂ روزگار تھے، مورخ ابن تغری بردی کے النجوم الزاہرہ میں ان کے متعلق یہ الفاظ ہیں "وكان اماما فقيها محدثا عبقريا من الاذكياء" [3] حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔

انتهت اليه رياسة الفقه بالعراق بعد ابي يوسف وتفقه به ائمة وكان من اذكياء العالم [4] — امام ابو یوسف کے بعد فقہ کی ریاست عراق میں ان پر ختم ہوا اماموں نے ان سے فقہ کی تحصیل کی اور یہ اذکیاء عالم میں سے تھے

ان ائمہ میں امام شافعی، امام ابوحفص کبیر بخاری، ابوعبید قاسم بن سلام، ہشام بن عبید اللہ رازی، ابوسلیمان جوزجانی اور عیسیٰ بن ابان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علم حدیث میں امام محمد کا جو پایہ ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ محدث دار قطنی نے باوجود اس تعصب کے جو انکو ائمہ احناف سے ہے انکے بارے میں اقرار کیا ہے کہ من الثقات الحفاظ یعنی یہ محدث ثقات میں سے ہیں جن کا شمار حفاظ حدیث میں ہے اور امام علی بن مدینی نے جو نقد رجال کے امام ہیں انکو صدوق قرار دیا ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی نے مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ میں تصریح کی ہے۔

واما الشافعي رحمه الله فاحتج بمحمد بن الحسن في الحديث — امام شافعی رحمہ اللہ نے محمد بن حسن سے حدیث میں حجت پکڑی ہے

اور محدث حاکم نیشاپوری نے المستدرک علی الصحیحین میں امام شافعی کی سند سے انکی یہ حدیث نقل کر کے حدثنا ابو العباس محمد بن يعقوب ثنا الربيع بن سليمان ثنا الشافعي انا محمد بن الحسن عن ابي يوسف عن عبد الله بن دينار عن ابن عمر رضي الله عنهما ان النبي صلى الله عليه وسلم قال الولاء لحمة كلحمة النسب لا يباع ولا يوهب تصریح کی ہے کہ هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه (یہ حدیث صحیح الاسناد ہے حالانکہ بخاری و مسلم نے اسکی تخریج نہیں کی ہے) اس پر حافظ ذہبی تلخیص المستدرک میں لکھتے ہیں کہ صحیح قلت والدروس ریہ صحیح ہے میں کہتا ہوں کہ درس کے سر رشتہ صحیح ہے) اور حافظ ابن حجر نے تعجیل المنفعہ میں لکھا ہے کہ وكان الشافعي يعظمه في العلم وكذا احمد (امام شافعی اور اسی طرح امام احمد علم میں انکو بڑا سمجھتے تھے) امام محمد کا معمول تھا کہ دس پارے یومیہ قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے مگر جمعی کا بیان ہے کہ محمد بن سماعہ اور عیسیٰ بن ابان نے نماز پڑھنا انہی سے سیکھا تھا سنہ ۱۸۹ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ رے گئے اور وہیں انتقال کیا اسی دن کسائی نے وفات پائی ہارون الرشید کو سخت صدمہ ہوا اور نہایت تاسف سے کہا آج ہم نے فقہ اور نحو دونوں کو دفن کر دیا

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وغفر له مغفرة جامعة

---

[1] العبر ملخصا [2] اس کتاب کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے [3] النجوم الزاہرۃ ج ۲ ص ۱۳۱ طبع مصر [4] تخریج ہدایہ از حافظ زیلعی ج ۱ ص ۲۰۷ طبع مصر [5] الایثار بمعرفۃ رواۃ الآثار [6] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ ص ۵۹ [7] مستدرک حاکم کتاب الفرائض ج ۴ ص ۳۴۱ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۲

مقدمہ

مسند حضرت علی کرم اللہ وجہہ

الموسوم بہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

اور

عُلُومِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا

حضرت
مسند علی
رضی اللہ عنہ
کرم اللہ وجہہ

مع اردو ترجمہ

حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ
سے مروی متفق علیہ احادیث نبوی کا مجموعہ

مشکوٰۃ المصابیح و صحاح ستہ سے ماخوذ

مؤلفہ
امین متقی

مقدمہ
شیخ الحدیث جناب مولانا عبدالرشید نعمانی

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرت علیؓ اور علومِ نبویؐ

از

جناب مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ابن عم، آپ کے داماد، سابقین الاولین میں ممتاز سب سے پہلے اسلام لانے والے، عشرہ مبشرہ کے بزم نشیں، خلافتِ راشدہ کے چوتھے رکن، ان کے فضائل وکمالات کو کوئی کیا بیان کرے۔

بقول حافظ ابن حجر عسقلانی

مات فی رمضان سنة اربعین وهو یومئذ افضل الاحیاء من بنی آدم بالارض باجماع اهل السنة۔ (تقریب التہذیب)

رمضان ۴۰ھ ہجری میں جب اس خاکدانِ عالم کو آپ نے خیر باد کہا تو باجماع اہلِ سنّت روئے زمین پر جتنے بھی انسان بقیدِ حیات تھے اُن سب سے آپ افضل تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

اِنَّ الْخِلَافَةَ لَمْ تُزَیِّنْ عَلِیًّا بَلْ عَلِیٌّ زَیَّنَهَا۔

خلافت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زینت نہیں بخشی بلکہ حضرت علیؓ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کو زینت بخشی [1]

اور اسی بنا پر امام ممدوح کی تصریح ہے کہ

من لم یربع بعلیٍ فی الخلافۃِ فھو اضل من حمار اھلہ [2] — جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ چہارم نہ مانے وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی زیادہ بے وقوف ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی گرانقدر تصنیف "قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین" میں حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل کا ایک مختصر سا جائزہ لیا ہے جو ہدیہ ناظرین ہے۔ فرماتے ہیں:

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت ہیں اور ان کے مناقب بے شمار۔

۱۔ وہ پہلے ہاشمی ہیں جو ایک ہاشمی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔

۲۔ اُن کی ولادت خانۂ کعبہ میں ہوئی ۔ یہ ایسی فضیلت ہے جو اُن سے پہلے صرف ایک صاحب کو نصیب ہوئی تھی۔ اور یہ صاحب جیسا کہ مُستدرک حاکم میں مذکور ہے، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

۳۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آغوش تربیت میں نشو ونما پائی۔

۴۔ ایک قول کے مطابق یہی پہلے شخص ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے۔ دوسرے قول کے مطابق پہلے مسلمان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔

---

[1] حافظ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اس کو امام احمد سے بسند روایت کیا ہے۔
(ملاحظہ ہو "تاریخ بغداد" ج۔ ۱ ص ۱۳۵ ۔ طبع مصر)

[2] "منہاج السنۃ" از حافظ ابن تیمیہ ۔ ج ۔ ۱ ، ص ۱۴۴ طبع مصر سنہ ۱۳۲۱ھ

۵۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ عنہ کے خویش (داماد) تھے اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ ان ہی کے صلب سے باقی رہا۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے موقع پر بستر نبوی پر جاکر یہی سوئے تاکہ لوگ یہ گمان نہ کریں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جاچکے ہیں۔

۷۔ (مدینہ نبوی میں) عقد مواخات کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مواخات (یعنی آپ کے بھائی بننے) کا شرف حاصل ہوا۔

۸۔ غزوۂ بدر میں قریش کے پہلوانوں نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰ حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی ان کے مقابلہ میں میدان جنگ میں اُترے اور غالب رہے اور پھر اس بشارت سے سرفراز ہوے کہ "روز قیامت جب (مومنین کی) کفار سے مخاصمت شروع ہوگی تو سب سے پہلے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں بزرگوں کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہوں گے۔"

۹۔ غزوۂ اُحد میں ان چند بزرگوں میں سے یہ بھی تھے جو معرکے میں ثابت قدم رہے اور اس جنگ میں نمایاں سعی آپ سے ظاہر ہوئی۔

۱۰۔ غزوۂ خندق میں عمرو بن عبدود کو جو قریش کا مشہور پہلوان تھا جہنم رسید کیا۔

۱۱۔ غزوۂ خیبر میں آشوب چشم کی وجہ سے جو اس وقت آپ کو لاحق تھا اولاً شرکت کا موقع نہ مل سکا لیکن بعد کو توفیق الٰہی نے دستگیری کی اور باوجود آشوب چشم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے آشوب چشم سے شفا پائی اور قلعۂ خیبر آپ ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا، اور اس موقع پر ایسی

فضیلت تامہ آپ کے نصیب میں آئی کہ زبانِ رسالت سے یہ کلمات آپ کے حق میں صادر ہوئے

سابعث غداً رجلاً یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ۔ میں کل ہی ایسے شخص کو اس مہم پر بھیجوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت رکھتے ہیں۔

۱۲۔ غزوات نبوی میں بہت سے مواقع پر عساکر نبوی کے علم بردار آپ ہی تھے۔

۱۳۔ ۹ھ ہجری میں آیہ براءت کی تبلیغ کا شرف آپ ہی کے حصہ میں آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرماتے ہوئے کہ

لا یبلغہ الا انا او رجل منی اس کی تبلیغ یا تو میں کر سکتا ہوں یا میرے خاندان کا کوئی فرد۔

اس حکم کی تبلیغ کی ذمہ داری آپ ہی کے سپرد کی۔

۱۴۔ غزوہ تبوک میں مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہوئے اور اس باب میں

انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی جو منزلت ہارون کی موسیٰؑ کے یہاں تھی وہی تمہاری میرے یہاں ہے کی فضیلتِ عظمٰی آپ کو نصیب ہوئی۔

۱۵۔ ہجرت کے آخری سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی حکومت پر آپ کو متعین فرمایا اور وہاں کا قلعہ آپ کے ہاتھوں فتح ہوا۔

۱۶۔ اور جب مالِ غنیمت کے خُمس میں سے ایک لونڈی آپ کے حصہ میں آئی اور اس کے بارے میں لوگوں میں قیل و قال شروع ہو گئی تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے پاس غیرت کی بنا پر لوگوں کو اُن کی ایذا رسانی سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا

هو منی وانا منه (تم نے علی کو کیا سمجھا ہے، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔

۱۷۔ اور "غدیر خم" کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ (میں جس کا دوست ہوں علی اس کے دوست ہیں۔

۱۸۔ اور مباہلہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل بیت کو اپنے ہمراہ لے کر تشریف فرما ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے۔

۱۹۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ دعا فرمائی

اللهم هؤلاء اهل بیتی — اے اللہ یہ لوگ (علی، فاطمہ و حسنین) میرے

فطهرهم تطهیرا — اہل بیت ہیں تو ان کو خوب پاک کر دے

تو حضرت مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان حضرات میں نہ صرف شامل بلکہ ان سب کے بڑے تھے۔

۲۰۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے حق میں ارشاد ہے:

لا یحب علیاً منافق — علی سے نہ کوئی منافق محبت رکھ سکتا ہے

ولا یبغضه مومن — اور نہ کوئی مومن بغض رکھ سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اس بنا پر تھا کہ آپ امرِ حق پر علی الدوام اور امرِ الٰہی کی بجا آوری میں شدت کے ساتھ سرگرم تھے۔

۲۱۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حکم دیا کہ مسجد نبوی کے سب دروازے، جو لوگوں نے اپنی نجی آمد و رفت کے لئے کھول رکھے ہیں بند کر دیئے جائیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دروازے کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ کیونکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمسائیگی کا شرف حاصل تھا اور آپ کو ان کا قرب مطلوب تھا۔

ان اکیس فضائل کو بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب ممدوح کے الفاظ ہیں:

ایں بود شرح قیام او بیک جناح نبوت کہ افشائے اسلام است ونصرت او در جناح دیگر از جناحین خلافت نبوت کہ افشائے علم است آثار جمیلہ از وے ظاہر شدند۔

اشاعت اسلام جو نبوت کا ایک بازو ہے اس کے برپا کرنے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو مساعی تھیں یہ ان کی شرح ہے اور خلافت نبوت کے دو بازوؤں میں سے دوسرے بازو کی نصرت یعنی اشاعت علم کے سلسلے میں جو آپ سے آثار جمیلہ ظاہر ہوئے (اُن کی تفصیل یہ ہے)،

۱۔ تعلیم قرآن۔ چنانچہ تاحال آپ کی روایت باقی ہے اور قرّاء سبعہ میں سے بعض حضرات اس قرآن مجید کو آپ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۔ حدیث نبوی کی روایت کے اعتبار سے آپ کا شمار مکثرین میں ہے یعنی ان اصحاب میں جن سے بکثرت احادیث نبویہ مروی ہیں۔

۳۔ فقہ۔ آپ کے عہد خلافت میں آپ کے ہاتھوں بکثرت مسائل کے فیصلے ظاہر ہوئے۔ اور امت میں محفوظ رہے۔

۴۔ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے علم کی گواہی دی اور فرمایا کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا "میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہیں"۔

۵۔ اور مسائل قضا میں ان کے تفوق کو بھی بتایا، چنانچہ ارشاد ہے: اقضاکم علیؓ "تم میں سب سے بڑے قاضی (مسائل کا فیصلہ کرنے والے) علیؓ ہیں"۔

۶۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امر سے پناہ مانگا کرتے تھے کہ کوئی سخت الجھا ہوا مسئلہ اُن کے سامنے ایسے وقت پیش آئے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ ہوں۔

۷۔ خود حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ

سلونی عن کتاب اللہ فواللہ ما من اٰیۃٍ الا وانا اعلمُ أبلیلٍ نزلت ام بنھارٍ ام فی سھلٍ او فی جبلٍ	مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھ لیا کرو بخدا کوئی ایسی آیت نہیں جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ وہ رات میں اُتری تھی یا دن میں اور وہ وادی میں اُتری تھی یا پہاڑ پر۔

۸۔ حکمت۔ اور ذہن کا جلدی سے (مسئلہ کی حقیقت کی طرف) منتقل ہو جانا جو حکمت کے شعبوں میں سے ایک عظیم شعبہ ہے اس کا بھرپور حصّہ آپ کو ملا تھا چنانچہ حساب کے دقیق مسائل نیز مسئلہ کے ماخذ پر کتاب و سنّت اور قواعد مقررہ و مسلّمہ کی روشنی میں متنبّہ کرنے کے بے شمار واقعات آپ سے منقول ہیں۔

۹۔ اور زہد اور بیت المال کے تصرّف میں غایت احتیاط۔ کھانے پینے

پہننے میں سادگی اور بیت المال کی تقسیم میں اپنی قرابت کا پاس و لحاظ نہ کرنا۔ ان امور میں بڑے بلند مقام پر فائز تھے۔

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے مناقب جمیلہ آپ میں موجود تھے۔[1] یہ بھی واضح رہے کہ "قرۃ العینین" میں شاہ صاحب ممدوح علیہ الرحمۃ کے پیش نظر اختصار تھا لیکن انھوں نے اپنی دوسری بے نظیر تصنیف ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء کی جلد دوم میں مناقب مرتضوی پر نہایت مبسوط بحث کی ہے۔ جس کی خوبی اس کے دیکھنے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ یہ بحث بڑی تقطیع کے پورے چوبیس صفحات پر صفحہ ۲۵۱ سے لیکر ۲۷۴ تک پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی خدمات کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے "ازالۃ الخفاء" میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کا نہایت ہی مختصر سا تعارف درج ذیل ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ و نصیب او از احیاء علوم دینیہ آنست کہ جمع او کرد قرآن را بحضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۲۷۳)	۱۔ دینی علوم کے احیاء کے سلسلے میں ان کا حصہ یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ کی حیات مبارکہ ہی میں آپ نے قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔

چنانچہ تابعین کی ایک جماعت نے آپ سے قرآن مجید کو روایت کیا ہے اور اس روایت کا سلسلہ تاحال باقی ہے۔ امام عاصم جن کے شاگرد امام حفص کی قراءت آج تمام دنیا میں متداول ہے اور ہم اہل ہند و پاک بھی اسی قراءت میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، اس کا سلسلۂ اسناد بھی حضرت مرتضیٰؓ حضرت

---

[1] ملاحظہ ہو "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" از ص ۱۳۸ تا ۱۴۰۔ طبع مجتبائی۔ دہلی ۱۳۱۰ھ

عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ پر منتہی ہوتا ہے۔ اسی طرح قراء سبعہ میں امام حمزہ کی قرأت کی سند بھی حضرت ذی النورینؓ و حضرت علی مرتضیٰ پر ختم ہوتی ہے۔ اور ان حضرات صحابہ نے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن مجید اخذ کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن جو آج ہم پڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسی طرح بعینہٖ لوگوں کے سینوں میں جمع اور محفوظ تھا۔[1]

وے رضی اللہ عنہ از حفاظ حدیث و از مکثرین صحابہ است۔ در بادی النظر قریب شش صد حدیث در کتب معتبرہ از احادیث مرفوعہ وے رضی اللہ عنہ مذکور است اوئی لحقیقت مرفوعات او از ہزار بیشتر میتواں یافت (ص ۲۷۳)

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حدیث کے حفاظ اور مکثرین صحابہ میں سے تھے۔ بادی النظر میں تو چھ سو احادیث مرفوعہ کے قریب معتبر کتابوں میں آپ سے منقول ہیں لیکن درحقیقت آپ کی مرفوع احادیث ایک ہزار سے زیادہ مل سکتی ہے۔

آپ کی مرویات کی ایک اہم خصوصیت جس کی طرف شاہ ولی اللہ صاحب نے توجہ دلائی یہ بھی ہے کہ:

وبعض ابواب حدیث کہ پیش از وے روایت نکردہ بود نداد فاتح اوّل آں باب است (ص ۲۷۳)

اور حدیث کے وہ بعض ابواب جن کی آپ سے پہلے روایت نہیں کی گئی۔ اس باب کے بیان کرنے کی ابتداء آپ ہی سے ہوئی۔

چنانچہ اس سلسلے میں شاہ صاحب ممدوح نے خاص طور پر جن احادیث کی

---

[1] معلوم ہوا جو لوگ قرآن کی تحریف یا اس میں کمی بیشی کے قائل ہیں وہ مسلمان نہیں۔ نعمانی

نشاندہی کی وہ یہ ہیں :

۱۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیۂ منورہ اور اوقاتِ شب و روز کے گزران کی کیفیت جو شمائلِ ترمذی میں مذکور ہے

۲۔ نماز مناجات جو نورانیتِ باطن میں بغایت مؤثر ہے اور "جامع ترمذی" میں مروی ہے۔

۳۔ نوافلِ یومیہ ضحیٰ، صلوٰۃ الزوال وغیرہ جو تصوف کا خاص باب ہے اس کی روایت "مسند احمد" میں موجود ہے۔

واز مسائلِ فتاویٰ و احکام بسیارے نقل کردہ شد۔ خصوصاً در کتبِ امام شافعی و مصنف عبدالرزاق و در مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ حصّہ وافرہ مذکور است

(ص ۲۷)

آپ سے مسائل فتاویٰ و احکام بہت منقول ہوئے خصوصاً امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں، نیز مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ میں ان کا بڑا حصّہ مذکور ہے۔ لے

۴۔ و در بحث توحید و صفاتِ زبانے داشت فصیح و آں مبحث در خطب وے رضی اللہ عنہ یافتہ می شود، و از میان صحابہ

توحید و صفات الٰہی کے بارے میں آپ کی زبان فیض ترجمان پر فصاحت کے دریا جاری تھے یہ مضمون آپ کے خطبات میں پایا جاتا ہے۔ صحابہؓ

لے بندۂ ناکارہ کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے اصحاب کی تصانیف میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جتنی روایتیں کی ہیں ان سے بھی زیادہ روایات مذکور ہیں۔

کبار وے کرم اللہ وجہہ بآں زبان متفرد است گویا در باب توحید وصفات از فن کلام متکلم اوّل او است و وے دراں مقامات از اصل سنت سنّیہ انبیاء بیروں نہ رفتہ (ص ۲۷۴)

۵ ۔ در باب تصوّف بحرے بود بغایت وسیع ...... قال الجنید رحمہ اللہ شیخنا فی الاصول والبلاء علی المرتضی رضی اللہ عنہ (ص ۲۷۴)

۔ ورسم فصاحت و بلاغت در خطب آوردۂ او ست خلفائے سابق باں مشغول نمی شدند۔

۔ باز در زمان شیخین مشیر در مسائل دینیہ و وزیر در تدابیر ملکیہ ایشاں بود و ایشاں در تعظیم و توقیر او دور دور رفتہ و مناقب و فضائل

کبار میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اس بحث میں اپنے زور بیان میں منفرد ہیں۔ گویا فن کلام میں جو توحید وصفات کا باب ہے اس کے پہلے متکلم امت میں آپ ہی ہیں اور ان مقامات کے بیان میں انبیاء کی اصل سنت سنّیہ سے آپ نے قدم باہر نہیں رکھا ہے۔

اور علم تصوّف کا تو آپ ایک نہایت وسیع سمندر تھے...... حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُصول اور بلاء میں تو ہمارے شیخ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔"

خطبات میں فصاحت و بلاغت کا طریقہ آپ ہی کا جاری کردہ ہے خلفائے سابق اس میں مشغول نہ ہوئے۔

پھر حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد میں دینی مسائل کے مشیر اور ملکی تدابیر میں ان کے وزیر رہے اور یہ حضرات بھی ان کی تعظیم و توقیر بہت ہی زیادہ کرتے تھے اور ان کے مناقب

او رضی اللہ عنہ واضح ساختہ اند (ص ۲۷۳)

وفضائل خوب کھول کر بیان کرتے تھے۔

اور شاہ صاحب نے "قرۃ العینین" میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

اعتماد بر فتاوی عبد اللہ بن مسعود در غالب حال و بر قضایائے مرتضیٰ در بعض احوال بآں شرط کہ اصحاب عبد اللہ بن مسعود روایت کردہ باشند و اثبات نمودہ و بعد ازاں بر تحقیقات ابراہیم نخعی و شعبی و تخریجات ایشاں اصل مذہب ابی حنیفہ است کہ سبب آں صورت خاص مذہب او پیدا شدہ۔ (ص ۱۷۶)

اکثر حالات میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاوی پر اور بعض حالات میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلوں پر اعتماد کرنا بشرطیکہ ان کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ نے نقل کیا اور ثابت رکھا ہو[1]۔ بعد ازاں ابراہیم نخعی و شعبی کی تحقیقات، و تخریجات کو سامنے رکھنا یہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کا اصول ہے جس کی بنا پر ان کے مذہب کی ایک خاص شکل پیدا ہو گئی۔

---

[1] اس شرط کو ملحوظ رکھنے کی وجہ خود شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ بتائی ہے کہ:

اصحاب عبد اللہ بن مسعودؓ ثقات و فقہا اند و رواۃ حضرت مرتضیٰ لشکریان مستور الحال۔

کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب ثقات اور فقہاء ہیں۔ اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے ان کے لشکر کے وہ لوگ ہیں جن کا حال ظاہر نہیں۔

و حدیث مرتضیٰ بدرجہ صحت نرسیدہ است الا آنچہ اصحاب عبد اللہ بن مسعود روایت کردہ اند (قرۃ العینین ص ۱۷۶)

چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہی حدیث صحت کے درجہ پہنچتی ہے کہ جس کو ان سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب روایت کرتے ہیں۔

اس سے اندازہ لگایئے کہ مذہب حنفی پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سب سے زیادہ جس کا اثر ہے وہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام فقہی مسائل مستقل کتاب کی صورت میں علیحدہ بھی مدوّن کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں:

لالکائی از محدثین اہل سنت مذہب علی مرتضیٰ را در فقہیات از کتاب الطہارۃ تا کتاب القضاء بہ ترتیب جمع کردہ کتابے مستقل در فقہ ساختہ است۔ ہر کسے کہ خواہد بطرف آں کتاب رجوع کند[1]	محدثین اہل سنت میں سے لالکائی نے مسائل فقہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کو کتاب الطہارت سے لیکر کتاب القضاء تک جمع کر کے ایک مستقل کتاب فقہ کی تیار کر دی ہے۔ چنانچہ جو شخص چاہے اس کتاب کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

حافظ شمس الدین الذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں محدث لالکائی کا ترجمہ لکھا ہے جو ان الفاظ میں شروع ہوتا ہے۔ اللالکائی الامام ابو القاسم ھبۃ اللہ بن الحسین بن منصور الطبری الرازی الحافظ الفقیہ الشافعی محدث بغداد۔ انھوں نے بہت سے محدثین سے حدیث کا سماع کیا تھا۔ فقہ کی تعلیم ابو حامد اسفرائینی سے پائی تھی۔ محدث خطیب بغدادی حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔ رمضان ۴۱۸ھ ہجری میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں اس کتاب کے علاوہ جس کا ذکر شاہ عبد العزیز صاحب نے کیا ہے ایک کتاب السنۃ ہے دوسری رجال صحیحین پر اُن کی ایک تالیف ہے۔

---

[1] فتاویٰ عزیزی۔ ج۔ ۱۔ ص ۸۰۔ مطبع مجتبائی ۱۳۲۱ھ

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی احادیث مرویہ کو جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے لکھا۔ حدیث کی معتبر کتابوں میں علماء محدثین نے جمع کر دیا ہے۔ کتب حدیث کا ایک مستقل عنوان ہے "مسند" اس نام سے حدیث کی جتنی کتابیں جمع کی گئی ہیں ان میں ہر صحابی کے نام کے تحت اس صحابی کے تمام مرویات کو بلا لحاظ مضمون یکجا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ مسانید اسلام میں بکثرت مرتب ہوئیں۔ سیکڑوں ہزاروں کتابیں اسی عنوان کے تحت لکھی گئیں مگر ان میں سب سے مبسوط کتاب امام شیخ الاسلام "ابو عبد الرحمن بقی بن مخلد القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۲۷۶ھ کی مسند کبیر" ہے۔ حافظ ابن حزم اندلسی کا بیان ہے کہ اس مسند میں تیرہ سو سے زائد صحابہ کی مرویات درج ہیں اور پھر ہر صحابی کی حدیث ابواب فقہیہ پر بھی مرتب ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کتاب "مسند" بھی ہے اور "مصنف" بھی۔ اس خوبی کی حامل کسی اور مصنف کی کتاب نہیں۔[1] شیخ الاسلام بقی بن مخلد علم حدیث میں بخاری و مسلم کے ہمسر تھے۔ امام ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ

کان بقی ذا خاصة من احمد بن حنبل وجاريا فی مضماد البخاری و مسلم والنسائی[2]	بقی کو امام احمد بن حنبل کی خدمت میں بڑا اختصاص حاصل تھا۔ یہ بخاری مسلم نے اور نسائی کے ہم عنان ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو کشف الظنون" زیر عنوان "مسند امام بقی بن مخلد" خاکسار کہتا ہے کہ اسی صفت کی حامل شیخ الاسلام بقی بن مخلد کے معاصر امام ابن جریر طبری کی تہذیب الاثار بھی ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ کتاب مصنف کی زندگی میں تمام نہ ہو سکی شیخ الاسلام بقی کی مسند تو آج دنیا میں ناپید ہے لیکن امام ابن جریر طبری کی کتاب کے کئی حصے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔

[2] ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ از امام ذہبی ترجمہ بقی بن مخلد۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ دو سو اسی[۴۹] سے زائد شیوخ حدیث سے انھوں علم حدیث اخذ کیا اور طلب حدیث میں مشرق و مغرب کو پے سپر کیا تھا۔ حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان الفاظ میں ان کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے "وکان اماما علما قدوۃ مجتھدا، لا یقلد احدا ثقۃ حجۃ صالحا عابدا متھجدا اوّاھا، عدیم النظیر فی زمانہ"۔ متاخرین محدثین جو عام طور پر کسی صحابی کی مرویات کی تعداد بیان کیا کرتے ہیں وہ انھیں کی مسند کی مرویہ احادیث کی تعداد ہوتی ہے۔

حضرت مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویہ احادیث مرفوعہ کی تعداد شاہ ولی اللہ صاحب نے چھ سو کے قریب بتلائی ہے۔ حافظ ابن جوزی کی کتاب "تلقیح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر" کا جو نسخہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اور جس کو سید محمد یوسف ٹونکی نے اپنی تصحیح و اہتمام سے جید برقی پریس دہلی میں طبع کرا کر شائع کیا ہے اس میں اس "قریب" کی تعیین پانچسو چھتیس[۵۳] کی ہے۔ چنانچہ "اصحاب المئین" کے زیر عنوان اس کی عبارت یہ ہے:

علی بن ابی طالب خمس مائۃ حدیث وستۃ وثلاثون، وقال ابو نعیم الاصفہانی اسند اربع مائۃ ونیفا من المتون سوی الطرق وقال البرقی الذی حفظنا عنہ نحو مائتی حدیث (ص ۱۸۴)	علی ابن ابی طالب کی پانچسو چھتیس[۵۳۶] روایات ہیں اور حافظ ابو نعیم اصفہانی نے کہا ہے کہ چار سو سے زاید متونِ حدیث ان سے مروی ہیں طرق و اسانید کا اس میں شمار نہیں اور حافظ برقی کہتے ہیں کہ جو حدیثیں ہمارے پاس ان کی محفوظ ہیں وہ دو سو کے قریب ہیں۔

حافظ ابن جوزی نے تعداد حدیث کا سارا باب اسی مسند بقی بن مخلد سے

نقل کیا ہے البتہ اس سلسلہ میں وہ مزید اضافہ حافظ ابوبکر برقی کی تاریخ اور حافظ ابونعیم اصفہانی کی کتاب سے کرتے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویہ احادیث کی تعداد بیان کرتے ہوئے بھی انھوں نے کیا ہے۔

ہماری تحقیق کے مطابق "تلقیح" میں "ستۃ و ثلاثون" کے الفاظ غلطی سے طبع ہوگئے ہیں۔ اصل میں "ستۃ و ثمانون" ہیں۔ یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ اصل مخطوطہ منقول عنہا میں بھی یہ غلطی تھی یا مطبوعہ نسخہ ہی میں واقع ہوئی ہے۔ حافظ ابن حزم کے پیش نظر بھی "مسند بقی" ہی تھی اور انھوں نے بھی ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر قلمبند کیا ہے۔ جو اُن کی کتاب "جوامع السیرۃ" کے ساتھ آخر میں طبع ہوگیا ہے۔ اس میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی مرویات کی تعداد ۵۸۶ ہی مرقوم ہے اور یہی تعداد انھوں نے اپنی دوسری کتاب "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" میں لکھی ہے۔ چنانچہ ان کی عبارت حسب ذیل ہے:

ولم يروعن علي الا خمس مائة وستة وثمانون حديثا مسندة يصح منها نحو خمسين وقد عاش بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ازيد من ثلاثين سنة وكثر لقاء الناس اياه وحاجتهم الى ما عنده لذهاب جمهور الصحابة رضي الله عنهم وكثر سماع اهل الآفاق عنده مرة بصفين واعواما

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پانچسو چھیاسی مسند حدیثیں مروی ہیں جن میں پچاس کے قریب صحیح ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد تیس سال سے زیادہ زندہ رہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بڑی جماعت کے گزر جانے کے سبب لوگ کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے پاس جو علم تھا اس کی ان کو ضرورت پڑی چنانچہ کثرت سے اہل آفاق نے آپ سے حدیثیں

بالكوفة ومرةً بالبصرة والمدينة (ج ۴ ـ ص ۱۳۷)	سنیں کبھی صفین میں اور کئی برس کوفہ میں اور کبھی بصرہ اور مدینہ میں۔

حافظ ابن حزم نے جو تعداد بیان کی ہے یہی تعداد امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء اور علامہ خزرجی کی کتاب "خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال" میں مرقوم ہے۔ خزرجی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں بیس حدیثیں "متفق علیہ" ہیں یعنی امام بخاری و مسلم دونوں نے ان کو روایت کیا ہے اور نو حدیثوں کی روایت صرف بخاری نے کی ہے اور پندرہ کی صرف مسلم نے۔ غالباً اسی نقطۂ نظر سے ابن حزم نے صحیح احادیث کی تعداد پچاس کے قریب لکھی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تعداد "صحیح لذاتہ" کی ہے جو محدثین کے نزدیک صحیح کی سب سے عالی قسم شمار کی جاتی ہے ورنہ ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں ہیں (۱) صحیح لذاتہ (۲) صحیح لغیرہ (۳) حسن لذاتہ (۴) حسن لغیرہ۔ یہ چاروں قسمیں بالاتفاق مقبول ہیں اور حجت مانی جاتی ہیں۔

پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ تعداد ان احادیث کی ہے جو "مسند بقی بن مخلد" میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہیں۔ ان کی جملہ مرویات کی یہ تعداد نہیں۔ بعض لوگوں کو اس سلسلہ میں یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ "مسند بقی" میں ہر صحابی کی مرویات کی جو تعداد مذکور ہے اس سے زیادہ اس صحابی سے اور کچھ مروی نہیں۔ یہ محض غلط ہے۔ حافظ ابن جوزی "تلقیح" میں لکھتے ہیں:

وقد كان ابو عبد الرحمن بقي بن مخلد جمع في مسنده حديثا كثيرا عن جمهور الصحابة فعد منه بعض رواية الاحاديث التي يرويها	ابو عبد الرحمن بقی بن مخلد نے اپنی مسند میں جمہور صحابہ کی حدیثیں جمع کی ہیں چنانچہ اسی بنا پر ہر صحابی نے جو حدیثیں روایت کی ہیں ان میں بعض کی تعداد اسی کتاب کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیان کر دی گئی ہے

كل صحابي فتوهم بعض المتأخرين ان الصحابي لا يروي سوى ذلك وليس كما توهم وانما هو قدر ما وقع الى المصنف (ص ۱۸۲)

اس سے بعض متاخرین اس وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ یہ صحابی بس اتنی ہی حدیثیں روایت کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں جیسا کہ ان کو وہم ہوا ہے بلکہ یہ تو روایت کی اس مقدار کا بیان ہے جو مصنف کو پہنچی ہے۔

مسند بقی تو آجکل ناپید ہے لیکن جو مسانید طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں وہ یہ ہیں:-

۱- مسند امام ابو داؤد سلیمان بن داؤد طیالسی المتوفی سنہ ۲۰۴ھ جس کا شمار اسلام کے قدیم ترین مسانید میں ہے بلکہ بعض حضرات اس باب میں سب سے پہلی تصنیف انھیں کی مسند کو خیال کرتے ہیں۔ یہ مسند دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے ۱۳۲۱ھ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات صفحہ ۱۵ سے صفحہ ۲۶ تک درج ہیں مگر درمیان میں کچھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثیں بھی آگئی ہیں۔ آج کل اس کتاب کی مسند علی کی احادیث پر فرزند عزیز محمد عبد الشہید سلمہ اللہ تعالیٰ امام سخاوی کی ترتیب مسند طیالسی کے ایک قلمی نسخے کی مدد سے جس کا ایک حصہ ان کو دستیاب ہو گیا ہے کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد ان کو اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

۲- مسند امام عبد اللہ بن زبیر حمیدی المتوفی سنہ ۲۱۹ھ یہ کتاب دو جلدوں میں مجلس علمی کراچی نے شائع کی ہے اور اس کی تصحیح و تحشیہ کا کام مولانا حبیب الرحمن صاحب محدث اعظمی نے انجام دیا ہے۔ مگر اس مسند میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت ہی کم روایتیں مذکور ہیں جن کی کل تعداد ۲۳ ہے۔

۳۔ مسند امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ۔ جو اس وقت موجودہ تمام مسانید میں سب سے زیادہ ضخیم ہے اور باریک ٹائپ پر چھ ضخیم جلدوں میں پہلے مصر اور پھر بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔ اس "مسند" میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روایات ص ۷۵ سے ۱۶۰ پر ختم ہوتی ہیں۔

"صحاح ستہ" میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روایات کی تعداد تین سو بائیس ۳۲۲ ہے جن کو ان سے ایک سو تریپن صحابہ و تابعین نے نقل کیا ہے۔ ان سب احادیث کی فہرست حافظ جمال الدین مزی نے اپنی گرانقدر تصنیف "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف" میں راویوں کے اسماء کو حروف تہجی پر مرتب کر کے پیش کر دی ہے اور ہر حدیث کے بارے میں نشاندہی کر دی ہے کہ صحاح ستہ کے کس باب میں کس راوی کی سند سے وہ مروی ہے۔

ان کے علاوہ حدیث کی بکثرت قلمی اور مطبوعہ کتابیں ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بکثرت روایتیں پائی جاتی ہیں اور عین ممکن ہے کہ ان کتابوں میں بعض وہ حدیثیں بھی موجود ہوں جو "مسند بقی" میں نہیں ہیں۔

"صحاح ستہ" کی بزم کے رکن رکین امام احمد بن شعیب نسائی المتوفی ۳۰۳ھ جو امام بقی کی طرح امام بخاری و امام مسلم کے ہم پایہ ہیں بلکہ بعض محققین حفاظ حدیث تو ان کو امام مسلم پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔ انھوں نے مستقل طور پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں کو جمع کرنے پر توجہ دی اور ان کو ایک علیحدہ کتاب میں مدون کر دیا جس کا نام ہے "مسند امیر المؤمنین علی بن ابی طالب"۔

اسی دور کے ایک اور بزرگ حافظ علامہ ابو یوسف یعقوب بن شیبہ سدوسی بصری نزیل بغداد المتوفی ۲۶۲ھ ہجری ہیں۔ جو شیخ الاسلام بقی بن مخلد امام محمد بن جریر طبری اور امام نسائی سب سے عمر اور طبقے میں بڑے تھے انھوں

نے بھی حدیث میں ایک بہت مسند لکھی تھی جس کا تعارف حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان الفاظ میں کرایا ہے

ما صنف مسند احسن منه ولكنه ما اتمه	اس سے بہتر مسند تصنیف نہیں ہوئی لیکن وہ اس کو مکمل نہ کر سکے

اور اپنی دوسری مشہور تصنیف "سیر اعلام النبلاء" میں اس "مسند" کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں

المسند الكبير العديم النظير المعلل الذي تم من مسانيده نحو من ثلاثين مجلداً،	مسند کبیر عدیم النظیر معلل جس کی مسانید میں سے صرف تیس جلدوں کے قریب مکمل ہو سکیں۔
ولو كمل لجاء في مائة مجلداً (ج-۱۲ ص ۲۷۶)	ورنہ اگر یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی تو سو جلدوں میں آتی۔

"معلل" کا مطلب یہ ہے کہ احادیث کی اسانید کے ساتھ ان کے علل پر بھی تفصیل سے کلام کیا جائے۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ کوئی معلل کتاب پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی کیونکہ اس کے ختم ہونے سے پہلے مصنف کی عمر ختم ہو جاتی ہے۔ یعقوب بن شیبہ بڑے پایہ کے محدث تھے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے وكان من كبار علماء الحديث۔ حق تعالیٰ نے ان کو دولت علم کے ساتھ دولت دنیوی سے بھی سے بھی نوازا تھا۔ چنانچہ "مسند" کی تبییض پر دس ہزار اشرفیاں صرف کیں ان کی حویلی میں چالیس لحاف ان مبیضہ نویسوں کے لئے تیار رکھے رہتے تھے جو اس خدمت کو انجام دینے کے لئے رات ان کے یہاں ہی بسر کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس مسند کی "مسند ابی ہریرۃ" کا حصہ جو مصر میں لوگوں کی نظر سے گزرا وہ دو سو جزء پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ مسند یعقوب کے جو اجزاء مبیضہ ہو کر منظر عام پر آئے۔ وہ مسانید عشرہ

مبشرہ، مسند ابن مسعود، مسند عمار، مسند عباس اور بعض موالی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسانید ہیں۔ ان میں صرف علی کرم اللہ وجہہ کی مسند پانچ جلدوں پر مشتمل تھی۔[1]

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث نبوی کی روایت میں جن احتیاطوں کو مدنظر رکھتے تھے۔ امام ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

۱- وکان اماماً عالماً متحریاً فی الاخذ بحیث انہ لیستحلف من یحدثہ بالحدیث

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام تھے عالم تھے۔ اخذ حدیث (یعنی روایت قبول کرنے میں) احتیاط برتتے تھے چنانچہ جو شخص بھی آپ کے سامنے کوئی حدیث بیان کرتا تو پہلے اس سے قسم لیتے

البتہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت اس اصول سے مستثنیٰ تھی کہ آپ ان کی روایت بغیر حلف لئے بھی قبول فرما لیتے تھے۔

۲- عن علی قال حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، لوگوں کو وہ حدیثیں بیان کرو جو جانی پہچانی ہوں اور وہ نہ بیان کرو جن سے وہ بدکیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

حضرت ممدوح کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد امام ذہبی نے یہ ارشاد فرمایا ہے:۔

فقد زجر الامام علی رضی اللہ عنہ عن روایۃ المنکر وحث علی التحدیث بالمشہور وھذا اصل کبیر فی الکف

(اب دیکھئے) بلاشبہ امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکر (اوپری) روایات کے بیان کرنے سے سختی سے روک دیا اور مشہور روایت کے بیان کرنے کی ترغیب

[1] ان ساری تفصیلات کے لئے "تذکرۃ الحفاظ" امام ذہبی میں ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

من بث الاشياء الواهية والمنكرة من الاحاديث فی الفضائل والعقائد والرقائق ولاسبیل الی معرفة هذا من هذا الامعان فی معرفة الرجال۔

دلائی اور یہ فضائل، عقائد و مواعظ کے بارے میں واہی اور منکر روایات کے بیان کرنے سے رک جانے کا بڑا کارآمد اصول ہے اور منکر کی غیر منکر سے شناخت جب تک فن رجال میں گہری نظر نہ ہو نہیں ہو سکتی۔

۴۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان چند صحابہ میں شامل ہیں جن کو عہدِ رسالت میں حدیث نبوی کی کتابت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے نقل کیا ہے:۔

عن علی قال ماکتبنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا القرآن وما فی هذه الصحيفة۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ علیہ وسلم سے سوائے قرآن کریم کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے (جو تمہارے سامنے ہے) اور کچھ نہیں لکھا۔

اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں۔ حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بہت ہیں اور میں نے ایک مستقل کتاب آپ کے لئے فضائل اور مناقب پر لکھی ہے جو ایک پوری جلد میں ہے اور اس کا نام ہے "فتح المطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب"۔

احادیث نبویہ کے مطالب و معانی کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے:

اذا حدثتم عن رسول اللہ

جب تمہارے سامنے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم حدیثاً فظنوا به الذی هو اهناہ والذی هو اهدی، والذی هو اتقی (مسند احمد بن حنبل ج ۱ - ص ۱۳۰)	صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو وہ معنی لو جو سب سے زیادہ عمدہ، سب سے زیادہ قرینِ ہدایت اور سب سے زیادہ تقویٰ کو بتاتے ہوں۔

محدثین نے اختلافِ روایت کے تحت ترجیح کے بہت سے اصول بیان کئے ہیں، چنانچہ حافظ ابوبکر حازمی نے اپنی مشہور کتاب "الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار" میں پچاس کے قریب وجوہ ترجیحات ذکر کی ہیں۔ یہ کتاب مصر اور ہندوستان دونوں جگہ طبع ہو چکی ہے۔ اس میں پچاسواں ضابطہ یہ بتایا ہے کہ جب کسی ایسے مسئلے میں دو مختلف حدیثیں وارد ہوں کہ جن کا تعلق قضاء سے ہو تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کردہ حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔

اہل سنت میں مذہب حنفی کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خصوصی نسبت ہے۔ یہ مذہب آپ کے انفاس قدسیہ کی خصوصی برکات کا حامل ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے جد امجد ایک بار اپنے صغیر السن صاحبزادہ جناب ثابت علیہ الرحمہ کو جو امام صاحب کے والد ماجد ہیں لے کر خدمت مرتضوی میں حاضر ہوئے تو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے اور اُن کی اولاد کے حق میں برکت کی خصوصی دعا فرمائی تھی چنانچہ یہ اسی دعا کی برکت کا اثر ہے کہ فقہ حنفی کو چار دانگ عالم میں غلبہ نصیب ہوا اور آج بھی اسلامی دنیا کی غالب اکثریت اسی مذہب کی پیرو ہے۔ فقہ مرتضوی کا اصل ترجمان مذہب حنفی ہی ہے۔ دور کیوں جایئے۔ نماز کے مشہور مسائل؛

آہستہ سے آمین کہنا۔ رکوع میں جاتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہ کرنا۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا، گاؤں میں نماز جمعہ و عیدین کا نہ پڑھنا، تراویح کی بیس رکعت۔ ان تمام مسائل میں فقہ حنفی میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہی کے فتاویٰ پر عمل ہے۔

صحیح مسلم کے مقدمہ میں مغیرہ بن مقسم ضبی علیہ الرحمہ سے جو کوفہ کے مشہور فقہا و محدثین میں ہیں اور امام حنیفہ رح کے استاد بھی۔ مروی ہے کہ

لم یکن یصدق علی علیؓ فی الحدیث الا من اصحاب عبد اللہ بن مسعود	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات میں صرف وہی روایت درست سمجھی جاتی تھی جس کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ کے تلامذہ ان سے نقل کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی مسند علمی کے صدر نشین ہیں جس کا سلسلہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب سے عہد بعہد آپ تک منتہی ہوا۔ اسی لئے مذہب حنفی میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو علم منتقل ہوا وہ بالکل صحیح طریقہ پر منتقل ہوا پھر مذہب حنفی میں جس کثرت سے اولیا ہوئے ہیں دوسرے مذاہب میں نہیں ہوئے۔ تمام اولیاء اللہ کے سلاسل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔

امام حافظ شمس الدین ذہبی نے جو علم تاریخ اور اسماء الرجال کے ایک عنصر خیال کئے جاتے ہیں۔ اپنی مشہور بے نظیر کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں تصریح کی ہے کہ

فا فقہ اھل الکوفۃ علی	اہل کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ علی اور

وابن مسعود، وافقہ اصحابہما علقمہ، وافقہ اصحابہ ابراھیم، وافقہ اصحاب ابراھیم حماد ابوحنیفہ، وافقہ اصحابہ ابویوسف، وانتشر اصحاب ابی یوسف فی الآفاق، وافقھہم محمد، وافقہ اصحاب محمد ابوعبداللہ الشافعی رحمہم اللہ تعالیٰ
(ج۔ ۵ ص ۲۳۶)

اور ابن مسعود ہیں، اور ان دونوں کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ علقمہ ہیں اور علقمہ کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابراہیم نخعی ہیں اور ابراہیم کے اصحاب سب سے بڑے فقیہ حمادؒ ہیں اور حماد کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابوحنیفہ ہیں اور ابوحنیفہ کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابویوسف ہیں۔ پھر ابویوسف کے اصحاب آفاق عالم میں پھیل گئے۔ اور ان میں سب سے بڑے فقیہ محمد ہیں۔ اور محمد کے اصحاب میں سب سے بڑے ابوعبداللہ شافعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان سب پر رحمتیں نازل ہوں۔

ہمارے محترم دوست سیّد جمیل احمد نقوی صاحب کی یہ بڑی سعادت ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن کو یہ توفیق بخشی کہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی جتنی روایت کردہ احادیث، حدیث کی مشہور و متداول کتاب "مشکوٰۃ المصابیح" میں موجود ہیں ان سب کو انھوں نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ یہ کام علماء کے کرنے کا تھا۔ سیّد صاحب عالم نہیں مگر توفیق حق ہے جس کو ارزانی ہو جائے۔ سچ ہے ؎

دادِ اُو را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت دادِ اوست

دُعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرما کر اس پر اجر جزیل

عطا فرمائے۔ آمین۔

والحمد للہ اوّلاً و آخراً وصلی اللہ تعالیٰ
علی سیدنا محمد و علیٰ الہ و صحبہ وسلّم

محمد عبد الرشید نعمانی

۱۰ ر ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

مقدمہ بلوغ المرام
الموسوم بہ
حیات حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

از

محقق العصر
مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بلوغ المرام

من ادلۃ الاحکام

مترجم

مؤلفہ علامہ کبیر محدث شہیر حافظ احمد بن علی بن محمد ابو الفضل

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ

۷۷۳ھ —— ۸۵۲ھ

ناشرین

نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیاتِ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ[1]

مولینا محمد عبدالرشید نعمانی

نام و نسب

احمد نام، ابوالفضل کنیت، شہاب الدین لقب اور ابن حجر عرف ہے۔ شجرۂ نسب یہ ہے
احمد بن علی بن محمد بن علی بن احمد الکنانی العسقلانی المصری ثم القاہری الشافعی، الضوء اللامع
اور شذرات الذہب میں یہی مذکور ہے، لیکن حافظ ابن فہد نے لحظ الالحاظ میں اور علامہ سیوطی نے ذیل طبقات الحفاظ
میں اس طرح بیان کیا ہے۔ احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی محمود بن احمد بن احمد۔

حجر حسب تصریح سخاوی آپ کے آباء و اجداد میں سے کسی کا لقب ہے، نسلاً آپ بنو کنانہ میں سے ہیں جو عرب کا مشہور قبیلہ ہے آپ کے بزرگ اصل میں عسقلان کے رہنے والے تھے جو فلسطین کے اطراف میں ساحل سمندر پر شام کا مشہور شہر ہے۔ اسی نسبت سے آپ عسقلانی مشہور ہیں، ورنہ آپ کی ولادت مصر میں ہوئی، یہیں نشو و نما پائی زندگی کی بہار دیکھی اور آخر یہیں سپرد خاک کئے گئے۔

---

[1] اس تذکرہ کے مرتب کرتے وقت حسب ذیل کتابیں ہمارے پیشِ نظر تھیں:۔ (۱) لحظ الالحاظ بذیل تذکرۃ الحفاظ از حافظ ابوالفضل تقی الدین بن فہد مکی شافعی علوی المتوفی سنہ ۸۷۱ھ مطبوعہ مطبع توفیق دمشق سنہ ۱۳۴۷ھ اس کتاب میں حافظ صاحب کا تذکرہ سب سے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، ابن فہد حافظ صاحب کے شاگرد بھی تھے (۲) الضوء اللامع لاہل القرن التاسع از حافظ ابوالخیر شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی المتوفی سنہ ۹۰۲ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۵۴ھ، سخاوی حافظ صاحب کے تلمیذ خاص ہیں (۳) التبر المسبوک فی ذیل السلوک یہ بھی سخاوی ہی کی تصنیف ہے، یہ کتاب سنہ ۱۸۹۶ء میں مصر کے مطبع بولاق میں چھپی تھی، فتح الباری کا جو نسخہ اسی مطبع میں سنہ ۱۳۰۰ھ میں طبع ہوا ہے اس کی ابتداء میں بھی التبر المسبوک سے حافظ صاحبؒ کا پورا ترجمہ منقول ہے اور اس وقت وہی ہمارے پیش نظر ہے (۴) ذیل طبقات الحفاظ از حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ مطبوعہ مطبع توفیق دمشق سنہ ۱۳۴۷ھ (۵) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون از ملا کاتب چلپی المتوفی سنہ ۱۰۶۷ھ مطبوعہ قسطنطنیہ سنہ ۱۳۶۰ھ (۶) شذرات الذہب فی اخبار من ذہب از مورخ عبدالحی بن العماد حنبلی المتوفی سنہ ۱۰۸۹ھ مطابق مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۵۱ھ (۷) اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء والمحدثین از نواب صدیق حسن خاں قنوجی المتوفی سنہ ۱۳۰۷ھ مطبوعہ مطبع نظامی سنہ ۱۲۸۸ھ (۸) نفحات التاج اللجینی فی ترجمۃ البدر العینی از محدث ناقد شیخ محمد زاہد کوثری المتوفی سنہ ۱۳۷۱ھ۔ یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری مگر اس کا خلاصہ جو عمدۃ القاری فی شرح البخاری مطبوعہ مطبع منیریہ مصر کے اول میں "ترجمۃ صاحب عمدۃ القاری" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ وہ اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔ (۹) التعلیق علی الذیول، یہ علامہ کوثری کے وہ حواشی ہیں جو انہوں نے ابن فہد اور سیوطی کے ذیل پر لکھے ہیں۔ اور انہی کے ساتھ طبع ہوئے ہیں۔

ولادت

آپ کی ولادت سنہ ۷۷۳ھ میں شعبان کی بائیسویں[1] یا تئیسویں تاریخ کو ہوئی۔

سن رشد، تعلیم و تربیت، شیوخ و اساتذہ

ابھی آپ کی عمر چار برس ہی کی تھی کہ رجب ۷۷۷ھ میں پدر بزرگوار کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور آپ یتیم ہوگئے آپ کے والد کے اوصیاء میں سے ایک صاحب تھے زکی الدین خروبی انہوں نے اس یتیمی کی حالت میں آپ کو اپنی آغوش تربیت میں لیا اور بڑے ہونے تک انہی کے زیر کفالت رہے جب پورے پانچ برس کے ہو لئے تو مکتب میں داخل کئے گئے، نو برس کی عمر میں صدر الدین سفطی شارح مختصر تبریزی کے پاس قرآن پاک حفظ کر لیا۔ قرآن پاک کے علاوہ درسی کتابوں میں سے حسب ذیل کتابیں بھی آپ نے زبانی یاد کی تھیں۔ حدیث میں عمدۃ الاحکام مؤلفہ حافظ عبد الغنی مقدسی المتوفی سنہ ۶۶۵ھ، فقہ شافعیہ میں الحاوی الصغیر مؤلفہ شیخ نجم الدین عبد الغفار بن عبد الکریم قزوینی المتوفی سنہ ۶۶۵ھ، اصول فقہ میں مختصر ابن الحاجب المتوفی سنہ ۶۴۶ھ، اصول حدیث میں الفیہ عراقی المتوفی سنہ ۸۰۶ھ اور نحو میں ملحۃ الاعراب مؤلفہ ابو محمد قاسم بن علی الحریری المتوفی سنہ ۵۱۶ھ۔ سخاوی نے ان پانچوں کتابوں کے نام لیکر وغیرھا بھی لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ کتابوں کے علاوہ اور بھی کچھ یاد کیا تھا۔

سنہ ۷۸۴ھ کے آخر میں جب کہ آپ گیارہ سال کے تھے اپنے وصی کی معیت میں حج بیت اللہ کے لئے گئے اور ایک سال تک جوار حرم ہی میں مقیم رہے، مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں شیخ عفیف الدین عبد اللہ بن محمد النشاوری سے صحیح بخاری کا سماع کیا، فن حدیث میں یہ آپ کے پہلے استاذ ہیں جن سے آپ نے حدیث شروع کی تھی، اسی زمانہ میں حافظ ابو حامد محمد بن ظہیرہ المتوفی سنہ ۸۱۷ھ سے عمدۃ الاحکام خوب بحث کے ساتھ پڑھی اور اسی سال یعنی سنہ ۷۸۵ھ میں مسجد حرام میں نماز تراویح میں قرآن پاک سنایا سنہ ۷۸۶ھ میں مصر لوٹے اور عبد الرحیم بن رزین سے صحیح بخاری کا سماع کیا پھر سنہ ۷۹۰ھ کے بعد مصر ہی میں وہاں کے مقامی شیوخ اور باہر کے آنے والے محدثین کی ایک بڑی جماعت سے جن کی اسناد عالی تھی۔ حدیث کا بہت کچھ سماع کیا، ان حضرات اساتذہ میں ابن ابی المجد برہان شامی، عبد الرحمٰن بن شیخہ، حلاوی، سویداوی، مریم بنت اذرعی، خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ازاں بعد سنہ [illegible] میں آپ نے دمشق کا سفر کیا اور وہاں آپ کو بعض وہ اساتذہ ملے جو قاسم بن عساکر اور حجار کے شاگرد تھے اور جن کو تقی الدین سلیمان بن حمزہ اور اسی طبقہ کے دیگر محدثین سے اجازت حاصل تھی۔

آپ نے کئی حج کئے، در طلب حدیث میں بہت سے شہروں کا سفر کیا، حافظ ابن فہد نے اس سلسلہ میں حسب ذیل مقامات کے نام لکھے ہیں: حرمین، اسکندریہ، بیت المقدس، الخلیل، نابلس، رملہ، غزہ، بلادیمن وغیرہ، مورخ ابن العماد نے آپ نے جہاں جہاں اس فن کی تحصیل کی ہے وہاں کے مشہور اساتذہ کے نام بھی گنائے ہیں جو درج ذیل ہیں:-

قاہرہ - سراج الدین بلقینی، حافظ ابن الملقن، حافظ زین الدین عراقی (حافظ ابن حجر نے ان حضرات سے فقہ کی تعلیم بھی پائی تھی)، برہان الدین ابناسی، نور الدین ہیثمی وغیرہ۔

---

[1] الضوء اللامع اور شذرات میں ۲۲ شعبان مذکور ہے اور لحظ الالحاظ اور اتحاف النبلاء میں ۲۳ شعبان لکھا ہے۔

سریاقوس: (قاہرہ کے اطراف میں ایک چھوٹا سا شہر تھا) صدر الدین الابشیطی

غزہ: احمد بن محمد خلیلی

رملہ: احمد بن محمد الایکی

الخلیل: صالح بن خلیل بن سالم

بیت المقدس: شمس الدین القلقشندی، بدر الدین بن مکی، محمد المنبجی، محمد بن عمر بن موسیٰ۔

دمشق: بدر الدین بن قوام بالسی، فاطمہ بنت المنجا تنوخیہ، فاطمہ بنت عبد الہادی، عائشہ بنت عبد الہادی وغیرہ

منیٰ: زین الدین ابوبکر بن الحسین۔

شذرات میں آپ کے سلسلہ سفر میں یمن کا بھی ذکر ہے لیکن وہاں کے کسی شیخ کا نام نہیں لکھا، حافظ سخاوی نے لکھا ہے کہ جوان ہونے کے بعد آپ نے حسب ذیل علماء سے مندرجہ ذیل علوم کی تحصیل کی تھی۔

شمس الدین بن القطان: ان کو بھی آپ کے والد وصی کر گئے تھے، فقہ، عربیت اور حساب وغیرہ کی تعلیم کے سلسلہ میں ایک مدت تک آپ نے ان کی ملازمت اختیار کی، حاوی کا بیشتر حصہ بھی ان ہی سے پڑھا تھا۔

نور الدین ادمی: ان سے بھی مدت تک فقہ و عربیت کی تحصیل کرتے رہے۔

سراج الدین بلقینی: مدت تک ان کی خدمت میں رہے اور ان کے فقہ کے اسباق میں حاضر ہوتے رہے۔ حسب ذیل کتابیں ان کے پاس پڑھیں (۱) الروضۃ فی فروع الشافعیہ از علامہ نووی المتوفی ۶۷۶ھ (۲) خود بلقینی نے اس کتاب پر جو حواشی لکھے تھے (۳) مختصر مزنی، اس کی قراءت شمس الدین برماوی کرتے تھے اور یہ سنتے تھے، درس و افتاء کی اجازت بھی سب سے پہلے حافظ صاحب کو ان ہی نے دی تھی۔

برہان الدین ابناسی: ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور منہاج وغیرہ کو خوب بحث سے پڑھا، چونکہ موصوف کو آپ کے والد بزرگوار سے خصوصی تعلق تھا اس لئے بڑے عرصہ تک ان کی خدمت میں حاضر رہے۔

سراج الدین ابن الملقن: انہوں نے منہاج پر جو شرح لکھی اس کا اکثر حصہ انہی سے پڑھا۔

عز الدین بن جماعہ: جن علوم کا یہ درس دیتے تھے ایک زمانہ تک ان کی تحصیل کے سلسلہ میں ان کی خدمت میں حاضر رہے اور حسب ذیل کتابیں ان سے پڑھیں (۱) شرح المنہاج الاصلی (۲) جمع الجوامع (۳) شرح جمع الجوامع از عز الدین مذکور (۴) مختصر ابن الحاجب (۵) شرح مختصر ابن الحاجب از عضد الدین ایجی، اس کا نصف اول (۶) مطول۔

علماء مذکورین کے علاوہ ہمام الدین خوارزمی، قنبر عجمی کے درسوں میں حاضر رہے اور بدر الدین بن صبغدی، ابن الصاحب، شہاب الدین احمد بن عبد اللہ بوصیری اور جمال الدین ماردانی موقت و حاسب سے مختلف علوم و فنون کی تحصیل کی۔ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس سے علم لغت حاصل کیا، غماری اور محب الدین بن ہشام سے عربیت سیکھی، بدر الدین بشتکی سے ادب و عروض وغیرہ کی تعلیم پائی، ابوعلی زفتاوی اور نور الدین بدماصی سے کتابت کو سیکھا۔ تنوخی سے فن قراءت اخذ کیا اور المفلحون تک ان کے پاس سبعہ کی قراءت

کی تجوید اس سے پہلے دیگر حضرات کے پاس حاصل کر چکے تھے۔ حافظ سخاوی ان اساتذہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"ان میں سے ہر ایک اپنے علم میں متبحر تھا اور جس فن میں اس کی شہرت تھی اس پایہ کا تھا کہ دوسرا اس کو نہیں پا سکتا تھا، چنانچہ تنوخی معرفت قراءات اور اس کی عالی اسناد میں اور عراقی علوم حدیث اور اسکے متعلقات میں اور ہیثمی حفظ متون اور استحضار میں اور بلقینی وسعت حفظ اور کثرت اطلاع میں اور ابن الملقن کثرت تصانیف میں اور مجد فیروز آبادی حفظ اللغت اور اس کی معلومات میں اور غماری علم عربیت اور اسکے متعلقات میں اور اسی طرح محب الدین بن ہشام کہ وہ بھی کثرت ذکاوت کے باعث اس فن پر بڑی قدرت رکھتے تھے ہاں غماری حفظ میں بڑھے ہوئے تھے اور عز الدین بن جماعہ بہت سے علوم میں تفنن کی بنا پر (کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں پندرہ علوم ایسے پڑھاتا ہوں کہ علماء زمانہ ان کے نام تک سے واقف نہیں) ایسے ہی تھے۔"

حافظ صاحب نے سارے فنون نہایت محنت سے پڑھے تھے اور ان میں وہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ باید و شاید، سخاوی لکھتے ہیں:۔

وجد فی الفنون حتی بلغ الغایۃ۔ آپ نے فنون میں پوری کوشش کی اور نہایت اعلےٰ درجہ پر پہنچے۔

پھر حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے دل میں علم حدیث کی محبت ڈالی اور آپ بالکلیہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے یوں تو بقول سخاوی آپ نے سنہ ۷۹۳ھ ہی میں طلب حدیث شروع کر دی تھی لیکن پوری توجہ اس کی طرف آپ نے سنہ ۷۹۶ھ میں کی اور اس کثرت سے اس فن کی کتابوں کا سماع کیا اور اتنے کثیر مشائخ سے اس علم کو اخذ کیا کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ ابن فہد لکھتے ہیں:۔

ومسموعاتہ ومشائخہ کثیرۃ جدا لا توصف ولا تدخل تحت الحصر

ان کی مسموعات اور ان کے مشائخ کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے جو بیان سے باہر ہے اور شمار میں نہیں آ سکتی۔

سخاوی کا بیان ہے:۔

واکثر جدًا من المسموع والشیوخ فسمع العالی والنازل واخذ عن الشیوخ والاقران فمن دونہم

انھوں نے مسموع اور شیوخ کی بہت ہی کثرت کی چنانچہ عالی بھی سنا اور نازل بھی، اساتذہ سے بھی اخذ کیا اور معاصرین سے بھی بلکہ ان سے نیچے کے طبقے سے بھی

ان ہی معاصرین میں ایک قابل ذکر ہستی شیخ الاسلام حافظ بدر الدین محمود عینی شارح بخاری المتوفی سنہ ۸۵۵ھ کی ہے کہ جو حافظ ابن حجر سے عمر میں بارہ سال بڑے تھے اور آپ کی وفات کے تین سال بعد تک زندہ رہے۔ حافظ عینی میں اور آپ میں معاصرانہ چشمک بھی تھی، لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجر نے آپ سے بہت کچھ اخذ فیض کیا ہے۔ صحیح مسلم کی دو حدیثیں اور مسند احمد کی ایک حدیث آپ سے سنی ہے اور اپنی تصنیف البلدانیات میں حافظ عینی سے ان حدیثوں کی روایت بھی کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے المجمع المؤسس للمعجم المفہرس کے طبقہ ثالثہ میں اپنے اساتذہ کے ضمن میں حافظ عینی کا مختصر سا تذکرہ بھی لکھا ہے

بلاشبہ حافظ صاحب نے علم حدیث میں بے شمار اساتذہ سے کسب فیض کیا تھا لیکن خصوصی

طور پر جس نے اس فن میں ان کی تربیت کی وہ حافظ زین الدین عراقی ہیں (جن کو اس فن کا ملکہ حافظ ابن الترکمانی حنفی مصنف الجوہر النقی کی زیر تربیت حاصل ہوا تھا) سخاوی لکھتے ہیں :۔

فعکف علی الزین العراقی وتخرج به و انتفع بملازمته — پھر آپ زین الدین عراقی کے آستانہ پر فروکش ہوئے ان سے ہی اس فن کی تربیت پائی اور ان ہی کی ملازمت سے نفع اٹھایا۔

حافظ عراقی سے آپ نے اس فن کی (حسب تصریح سخاوی والکثیر من الکتب الکبار والاجزاء الصغار) چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں پڑھیں اور خود ان کی تصانیف میں سے بھی حسب ذیل کتابیں خوب سمجھ کر اور نہایت تحقیق کے ساتھ ان سے پڑھی تھیں (۱) الفیہ (۲) شرح الفیہ (۳) نکت علی ابن الصلاح، اس کے علاوہ ان کی امالی کا بھی ایک بڑا حصہ ان سے حاصل کیا تھا بعض امالی میں ان کے مستملی بھی ہوتے تھے۔ حافظ عراقی ہی نے سب سے پہلے آپ کو حدیث پڑھانے کی اجازت دی تھی۔

حافظہ اور ذکاوت

قوتِ حافظہ اور ذکاوت خدا داد تھی، ابن فہد نے لکھا ہے کہ آپ نے لکھا ہے کہ آپ نے پوری سورۂ مریم ایک دن میں یاد کی تھی، حاوی صغیر کا پورا نسخہ دو دفعہ کے پڑھنے سے یاد ہو جاتا تھا۔ پہلی دفعہ استاذ سے صحیح کر کے پڑھتے دوبارہ خود پڑھتے اور تیسری دفعہ زبانی سنا دیتے۔

ذکاوت ایام طالب علمی ہی میں عیاں تھی۔ حافظ ابن فہد لکھتے ہیں :۔

وکان احسن الله تعالیٰ الیه فی حال طلبه مفیدا فی ذی مستفید — اللہ ان کا بھلا کرے کہ یہ عہد طالب علمی ہی میں مفید بصورت مستفید تھے۔

علم و فضل

حافظ صاحب کو مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل تھا، سب سے پہلے ادب و تاریخ پر توجہ کی تھی اس کے بارے میں ابن فہد کی شہادت ہے ففاق فی فنونهما ادب و تاریخ دونوں کے فنون میں آپ فائق تھے، فقہ اور عربیت کے متعلق ابن العماد کے الفاظ ہیں وبرع فی الفقه والعربیة آپ فقہ اور عربیت میں ممتاز تھے۔ شعر و سخن کا فطری ذوق تھا۔ بچپن سے شاعری خمیر میں پڑی تھی بڑے عمدہ شعر کہتے تھے، ابن العماد کا بیان ہے۔

وتولع بالنظم وقال الشعر الکثیر الملیح الی الغایة — شاعری کے دلدادہ تھے۔ بہت شعر کہے جو انتہا درجہ کے نمکین تھے۔

ابن العماد نے آپ کے اوصاف کمال میں خصوصیت کے ساتھ یہ الفاظ لکھے ہیں راویة للشعر شعر بہت روایت کرتے تھے، ابن فہد آپ کی شاعری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

وقال الشعر الحسن الذی هو ارق من النسیم وطارح الادباء — ایسے عمدہ شعر کہے کہ جو نسیم سحر سے بھی زیادہ دلآویز ہیں، اور ادیبوں سے دنگل رہا۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ابن فہد نے آپ کے قصیدہ کا ایک مطلع نقل کیا ہے

مازلت فی سفن الهوی تجری بی ۔ لا فانی عقلی ولا تجربی ۔۔ میں محبت کے سفینوں میں برابر بہتا ہی رہا ، نہ میری عقل نے مجھے کچھ کام دیا نہ تجربہ

ابن العماد نے آپ کے دیوان سے یہ دو شعر نقل کئے ہیں:۔

احببتُ وَقّادًا کنجمٍ طالعٍ ٭ اَنزلتهُ برضا الغرام فوادی

(میں نے اس سے محبت کی ہے جو نکلنے والے تارے کی طرح دمکتا ہے اور فرطِ شوق میں چاہت سے اس کو اپنے دل میں اتارا ہے)

وَاَنَا الشِّهابُ فَلا تُعانِدُ عاذِلِی ٭ اِنْ مِلْتُ نَحْوَ الکوکبِ الوقّادِ

(اور میں شہاب[1] ہوں اس لئے اگر کوکب درخشاں پر مائل ہو گیا تو اس بات سے میرے ناصح کو عناد نہ ہونا چاہئے)

اور حدیث میں تو حافظ صاحب کا جو پایہ ہے محتاجِ بیان نہیں، حافظ سیوطی لکھتے ہیں:۔

وبرع فی الحدیث وتقدم فی جمیع فنونه (حدیث میں ممتاز ہوئے اور اسکے سارے فنون میں مقدم رہے)

اس میں شک نہیں کہ علم حدیث حافظ صاحب کا خاص فن تھا اور انھوں نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ اسی مبارک مشغلہ کی نذر کیا تھا جس کی بدولت آج بھی وہ حافظ حدیث کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ پہلے شاعر ہیں بعد کو محدث اور تیسرے نمبر پر فقیہ، علامہ ابن العماد نے آپ کے بارے میں یہ بالکل صحیح نقل کیا ہے کہ

کان شاعرا طبعا محدثا صناعة فقیها تکلفا

آپ طبعاً شاعر تھے فن کے اعتبار سے محدث اور فقیہ بہ تکلف

وجہ ظاہر ہے شعر کا سلیقہ فطری تھا، حدیث کو بحیثیت فن حاصل کیا تھا اور فقہ میں محنت کرنی پڑی تھی۔

اجلہ علماء کا اعتراف

حافظ سخاوی "الضوء اللامع" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"آپ کے حفظ، ثقاہت، امانت، معرفت تامہ، خوبی ذہن، فرط ذکا اور مختلف فنون میں وسعت نظر کی شہادت دی ہے۔ آپ کے استاد عراقی نے اپنے تمام تلامذہ میں آپ کو حدیث کا سب سے بڑا عالم فرمایا تھا۔ تقی الدین فاسی اور برہان الدین حلبی دونوں کی متفقہ شہادت ہے کہ ما رأینا مثله (ہم نے ان جیسا نہ دیکھا)۔ ایک بار فاضل تغری برمش فقیہ نے خود آپ سے دریافت کیا تھا ارأیت مثل نفسك (آپ نے بھی اپنا مثل کبھی دیکھا) فرمایا اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے فَلَا تُزَكُّوا اَنْفُسَكُمْ (اپنے آپ کی بڑائیاں مت جتلاؤ)"

حافظ ابن فہد نے لحظ الالحاظ میں آپ کا تذکرہ ان شاندار الفاظ میں شروع کیا ہے ابن حجر ...... العسقلانی المصری الشافعی الامام العلامة الحافظ فرید الوقت مفخر الزمان بقیة الحفاظ علم الائمة الاعلام عمدة المحققین

---

[1] سابق میں گزر چکا کہ حافظ صاحب کا لقب شہاب الدین ہے۔

خاتمة الحفاظ المبرزين والقضاة المشهورين ابوالفضل شہاب الدین اور حافظ سیوطی نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں اس طرح ابتدا کی ہے ابن حجر شیخ الاسلام وامام الحفاظ فی زمانہ وحافظ الدیار المصریۃ بل حافظ الدنیا مطلقا قاضی القضاۃ اور مورخ ابن العماد کے یہ الفاظ ہیں شیخ الاسلام علم الاعلام امیر المومنین فی الحدیث حافظ العصر۔

زود خوانی وزود نویسی

حافظ صاحب کو تیز پڑھنے کی اس درجہ مشق تھی کہ حیرت ہوتی ہے ایک دفعہ صحیح بخاری کو دس نشستوں میں (جو صرف ظہر سے عصر تک ہوتی تھیں) ختم کر ڈالا، اسی طرح صحیح مسلم کو ڈھائی دن میں پانچ نشستوں میں تمام کیا۔ امام نسائی کی سنن کبری کو بھی دس ہی نشستوں میں ختم کیا، ہر نشست چار ساعت کی ہوتی تھی، سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک دفعہ اپنے شام کے سفر میں طبرانی کی المعجم الصغیر (جس میں ڈیڑھ ہزار کے قریب حدیثیں مع اسناد کے مروی ہیں) کو صرف ایک مجلس میں مابین ظہر و عصر سنا دیا، دمشق میں ان کا دو ماہ دس دن قیام رہا تھا اس اثنا میں اپنے ضروری مشاغل میں مصروفیت اور علمی فوائد نقل کرنے کے علاوہ سو جلدوں کے قریب کتب احادیث کی اہل شام کے لئے قرات کی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ اس قدر تیز پڑھنا جہاں قابل تعریف ہے وہاں اس میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اس تیزی میں پورے طور پر ضبط الفاظ مشکل ہوتا ہے اور اکثر گڑ بڑ ہو جاتی ہے۔ حافظ ابن حجر کی تصانیف میں جو اوہام ہیں غالباً اس کا سبب یہی ان کی زود خوانی ہے چنانچہ سخاوی نے اپنی تصنیفات میں ان کی بہت سی غلطیاں بیان کی ہیں اسی طرح سبط ابن حجر نے النجوم الزاہرۃ فی قضاۃ القاہرۃ میں اپنے جد کی مشہور تصنیف رفع الاصر عن قضاۃ مصر پر خوب تنقید کی ہے اور جابجا اس کی اغلاط کو واضح کیا ہے بلکہ حافظ صاحب کے نامور شاگرد محدث برہان الدین بقاعی نے تو عنوان الزمان میں آپ کے متعلق یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:-

انہ یغلط و یلج فی غلطہ (غلطی کرتے ہیں اور پھر اس پر مُصر بھی رہتے ہیں)

حافظ صاحب جس طرح زود خواں تھے اسی طرح زود نویس بھی تھے مگر نہایت بدخط تھے اور اس پر طرہ یہ کہ شیوہ خط یکساں نہ تھا جس کی وجہ سے ان کے خط کا پہچاننا اور پڑھنا سخت دشوار تھا اور پھر مبیضہ تک میں اتنی کاٹ چھانٹ چلتی تھی کہ مسودہ بن کے رہ جاتا تھا۔ حافظ صاحب کے خط کا عکس علامہ راغب طباخ حلبی نے اپنے مطبع علمیہ میں مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح للعراقی کا جو نسخہ طبع کیا ہے اسکے شروع میں دے دیا ہے۔

عہدۂ قضاء

ابتدا میں الملک المؤید نے مملکت شام کا عہدہ قضاء آپ کو پیش کیا اور بار بار اسکے قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن آپ نے باصرار تمام اس پیش کش کو رد

کر دیا مگر محرم ۸۲۷ھ میں الملک الاشرف برسبائی نے جب قاہرہ اور اسکے مضافات کا منصب قضاء آپ کو تفویض کیا تو آپ نے پوری ذمہ داری اور دیانت کے ساتھ اس منصب کو نبھایا۔ قاہرہ میں آپ کی مدت قضاء، حسب تصریح سخاوی اکیس ۲۱ سال ہے مگر اس درمیان میں اس کثرت سے آپ کا عزل و نصب ہوتا رہا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ بعد کو خود حافظ صاحب کو بھی جیسا کہ سخاوی نے لکھا ہے اس عہدۂ قضاء کے قبول کرنے پر سخت ندامت تھی۔

درس وافتاء

حافظ صاحب کی زندگی کا بیشتر حصہ علم دین خصوصاً حدیث شریف کی خدمت اس کی نشر واشاعت، درس وتدریس اور تصنیف وافتاء میں بسر ہوا۔ قاہرہ کے بڑے بڑے مدارس میں مدت تک آپ نے تفسیر حدیث اور فقہ کی تعلیم دی ہے چنانچہ حسینیہ اور منصوریہ میں تفسیر پڑھائی، بیبرسیہ، جمالیہ، حسینیہ، زینبیہ، شیخونیہ، جامع طولون اور قبہ منصوریہ میں حدیث کا درس دیا، خروبیہ، بدریہ، شریفیہ فخریہ، صالحیہ نجمیہ، صلاحیہ اور مؤیدیہ میں فقہ کی تعلیم دی، بیبرسیہ کے پرنسپل اور شیخ بھی رہے۔ دار العدل میں افتاء کا کام آپ کے سپرد تھا جامع ازہر اور اس کے بعد جامع عمرو بن العاص میں خطیب رہے، محمودیہ میں خازن کتب بھی تھے، ان تمام مصروفیتوں کے باوجود ایک ہزار سے زیادہ مجالس میں اپنے حفظ سے امالی (لکچرس) بھی لکھواتے۔

حلیہ

صبیح تھے۔ قد میانہ سے کم تھا۔ سر بڑا تھا سپید ریش اور نحیف الجسم تھے، گفتار نہایت فصیح اور آواز میں درد تھا۔

اخلاق وعادات

پاکیزہ اخلاق شیریں گفتار، متواضع اور حلیم تھے، دوستوں سے مدارات اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔

زہد وعبادت

کھانے پینے اور پہننے میں پوری طرح احتیاط برتتے تھے کثرت سے روزے رکھتے اور خوب عبادت کرتے تھے، تہجد کا بھی اہتمام تھا۔

آپ کا قلم حجاج کی تلوار تھا

یہ بات عجیب ہے کہ حافظ صاحب کی گفتار میں جس درجہ شیرینی تھی اسی قدر آپ کا قلم زہر فشاں تھا، چنانچہ ملا کاتب چلپی کشف الظنون میں الجواہر والدرر فی ترجمۃ شیخ الاسلام ابن حجر پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

کان قلم ابن حجر سیئاً فی مثالب الناس — ابن حجر کا قلم لوگوں کے معائب بیان کرنے میں خراب
ولسانه حسناً ولیته عکس لیبقی الحسن — تھا اور زبان اچھی تھی، کاش معاملہ الٹا ہوتا کہ اچھی چیز باقی رہ

چونکہ بچپن سے شعر وشاعری کا مشغلہ تھا اس لئے مدح وہجا میں شاعروں کی سی بے اعتدالی بات بات پر خردہ گیری اور نکتہ چینی افتاد طبیعت میں داخل تھی یہی وجہ ہے کہ جب وہ اپنے معاصرین یا مشائخ میں سے کسی کا تذکرہ لکھنے کے لئے ہاتھ میں قلم اٹھاتے ہیں تو ان کے اکرام کا لحاظ کئے بغیر جو جی چاہتا ہے لکھتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ محدث برہان الدین بقاعی نے عنوان الزمان بتراجم الشیوخ والاعیان میں اپنے استاذ کے اس طرز عمل کا حسب ذیل الفاظ میں نہایت سخت شکوہ کیا ہے:۔

ان فيه من سيئ الخصال انه لا يعامل احداً بما يستحقه من الاكرام فى نفس الامر

ان میں ایک بُری عادت یہ ہے کہ وہ کسی کے ساتھ اس اکرام کا معاملہ نہیں کرتے جس کا وہ حقیقت میں مستحق ہوتا ہے۔

خصوصاً حنفی علماء کے تراجم میں تو ان کا قلم سفاکی میں حجاج کی تلوار سے کم نہیں ہوتا، مشاہیر ائمہ احناف میں سے (باستثناء امام ابوحنیفہؒ) شاید ہی کوئی بچا ہو جو آپ کی سنان قلم سے گھائل نہ ہوا ہو۔ ذرا لسان المیزان (جو فن رجال میں حافظ صاحب کی مشہور تصنیف ہے) ہاتھ میں اٹھا لیجئے اور امام ابو یوسف امام زفر امام محمد امام حسن بن زیاد اور امام طحاوی وغیرہ کا تذکرہ دیکھئے کہ ان جیسے ائمہ کے بارے میں بھی انھوں نے کیا کیا اظہار کی ہے، حافظ عصر مولانا انور شاہ کشمیری نے آپ کے بارے میں بالکل صحیح فرمایا ہے کہ

بقي الحافظ ابن حجر وهو ضد الحنفية بما استطاع حتى انه جمع مثالب الطحاوي والطعون فيه مع ان اباجعفر امام عظيم لم يبلغ الى احد من ائمة الحديث خبره الا حضر عنده بمصر وجلس فى حلقة اصحابه وتلمذ عليه (فيض البارى ج ۱ ص ۱۷۰)

باقی رہے حافظ ابن حجر تو ان سے جہاں تک بن سکا حنفیہ کو ضرر ہی پہنچایا حتی کہ انھوں نے امام طحاوی کے بھی مثالب ومطاعن جمع کر دیے حالانکہ امام ابوجعفر طحاوی بہت بڑے امام ہیں جن کی یہ شان تھی کہ ائمہ حدیث میں سے جس کو بھی ان کی خبر ملی ان کی خدمت میں مصر حاضر ہوا اور ان کے حلقہ تلامذہ میں بیٹھ کر ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔

حافظ صاحب کی دوسری کتاب الدرر الکامنہ فی اعیان القرن الثامنہ ہے جس میں آپ نے آٹھویں صدی کے علماء کا تذکرہ لکھا ہے یہ کتاب اب چھپ گئی ہے۔ حافظ صاحب کا جب انتقال ہوا تو یہ کتاب مسودہ کی صورت میں تھی۔ حافظ سخاوی نے اس کی تبییض کی تو باوجودیکہ سخاوی حافظ صاحب کے مایۂ ناز شاگرد ہیں اور ساتھ ہی ساتھ استاد کے حد درجہ عقیدت کیش بھی تاہم ان کو بھی اپنے استاد کے اس طرز عمل پر جا بجا تنبیہ کرنی پڑی چنانچہ شیخ حسین بن علی بن الحجاج العمانی الحنفی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

اهمله شيخنا على عادته فى الحنفية مع تقدمه فى العلم (الدرر الكامنة ج ۲ ص ۶)

ہمارے شیخ نے جیسا کہ ان کی حنفیہ کے بارے میں عام عادت ہے باوجود ان کے تقدم علمی کے ان کا تذکرہ ہی مہمل رکھا۔

اسی طرح علامہ جمال الدین عبداللہ بن محمد بن احمد حسینی نیشاپوری حنفی کے تذکرہ میں حافظ صاحب کی انباء الغمر سے ان کے کچھ حالات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

ثم نكت عليه على عادته فى تغليب التنكيت على الحنفية فقال كان يتشيع (الدرر الكامنة ج ۲ ص ۲۸۸)

پھر ہمارے شیخ نے اپنی اسی عادت کے مطابق کہ وہ اکثر حنفیہ پر نکتہ چینی کیا کرتے ہیں ان پر بھی نکتہ چینی کی اور کہہ دیا کہ ان میں تشیع تھا

اور قاضی القضاۃ علامہ محب الدین محمد بن الشحنہ اپنی شرح ہدایہ کے مقدمہ میں حافظ صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:۔

وكان كثير التنكيت فى تاريخه على مشائخه

ابن حجر اپنی تاریخ میں اپنے مشائخ، احباب واصحاب پر بہت

واحبابه واصحابه لا سيما الحنفية فانه يطهر من زلاتهم ونقائصهم التى لا يعرى عنها غالب الناس ما يقدر عليه ويغفل ذكر محاسنهم وفضائلهم الا ما الجأته الضرورة اليه فهو سالك فى حقهم ما سلكه الذهبى فى حقهم وحق الشافعية حتى قال السبكى انه لا ينبغى ان يوخذ من كلامه ترجمة شافعى ولا حنفى، وكذا لا ينبغى ان يوخذ من كلام ابن حجر ترجمة حنفى متقدم ولا متاخر اهـ

سخت گیر ہیں خصوصاً حنفیہ کے بارے میں تو ان کا طرز عمل یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکتا ہے ان کی ان لغزشوں اور کمزوریوں کو کہ جن سے عام طور پر لوگ خالی نہیں ہوتے ظاہر کر کے رہتے ہیں اور جب تک کسی ضرورت سے مجبور نہ ہوں ان کے محاسن اور فضائل کے ذکر سے غفلت برتتے ہیں، حنفیہ کے بارے میں ان کا سلوک وہی ہے جو حنفیہ اور شافعیہ کے بارے میں ذہبی کا ہے یہاں تک کہ سبکی کو کہنا پڑا کہ کسی شافعی اور حنفی کا تذکرہ ذہبی کے کلام سے نہیں لینا چاہئے۔ پس اسی طرح ابن حجر کے کلام سے بھی کسی حنفی کا تذکرہ نہیں لینا چاہئے۔ خواہ وہ متقدمین میں سے ہو یا متاخرین میں سے۔

یہ بھی واضح رہے کہ پہلے حافظ صاحب کو حنفی مذہب سے اس کے اصول وفروع کے مطابق ہونے کی وجہ سے اس درجہ عقیدت تھی کہ اپنے حنفی ہونے کی تمنا کیا کرتے تھے لیکن بعد کو ایک خواب کے دیکھ لینے سے یہ ساری عقیدت مخالفت میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔ یہ سارا قصہ خود حافظ صاحب ہی کی زبان سے سننے کے لائق ہے جس کو انھوں نے اپنی مشہور کتاب المجمع المؤسس للمعجم المفہرس میں ابن البرہان ظاہری کے تذکرہ میں تفصیل سے حوالہ قلم کیا ہے فرماتے ہیں:-

"میں نے ابن البرہان کو ان کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا، پوچھا تم تو مر چکے کہنے لگے ہاں، میں نے دریافت کیا حق تعالےٰ کا تمہارے ساتھ کیا معاملہ رہا۔ اس پر ان کی حالت متغیر ہو گئی اور مجھے خیال ہوا کہ یہ چلا ہے بعد کو جب انہیں افاقہ ہوا تو کہنے لگے اب تو ہم بخیریت ہیں مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تم پر عتاب فرماتے ہیں میں نے پوچھا کس لئے کہنے لگے اس لئے کہ تم حنفیہ کی طرف مائل ہو۔

بیدار ہوا تو سخت متعجب تھا کیونکہ میں بہت سے حنفیہ سے یہ کہہ چکا تھا کہ انی لاود لو کنت علے مذھبکم (بلاشبہ میری یہ خواہش ہے کہ کاش میں تمہارے مذہب پر ہوتا) اور جب انھوں نے دریافت کیا کہ یہ کیوں تو میں نے ان سے کہا تھا لکون الفروع مبنية على الاصول (اس لئے کہ اس مذہب کے فروع اصول پر مبنی ہیں) اب میں نے اپنی اس حرکت پر اللہ تعالےٰ سے استغفار کیا"

یہ ابن البرہان مشہور ظاہری ہیں پہلے شافعی تھے پھر سعید نحوی کی صحبت سے ظاہری مذہب کی طرف مائل ہوئے اور ابن حزم کے مسلک کو اختیار کیا بعد کو ابن تیمیہ کی کتابیں نظر سے گزریں تو ان کے ایسے معتقد ہوئے کہ کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں مانتے تھے طبیعت میں حوصلہ موجود تھا، سلطنت کا خواب دیکھنے لگے لیکن چونکہ صاحب منصب و مال نہ تھے کنبہ قبیلہ بھی موجود نہ تھا مجبور تھے آخر اسی مقصد

کے لئے ممالک اسلامیہ کا دورہ کیا اور شام و خراسان کے بہت سے لوگ ان کے دام فریب میں آگئے مگر جلد ہی حمص میں مع اپنی جماعت کے گرفتار کر لئے گئے اور پھر پابزنجیر ان کو مصر لایا گیا اور الملک الظاہر برقوق نے ان کو اپنے سامنے کھڑا کر کے بہت ڈانٹا اور ان کے سب ساتھیوں کو کوڑوں سے پٹوایا پھر انھیں مدت دراز کے لئے قیدخانہ میں ڈال دیا بعد کو سنہ ۷۹۱ھ میں رہا ہوئے اور پھر کبھی سر نہ اٹھایا آخر سنہ ۸۰۸ھ میں اسی حالت خمول میں انتقال کیا۔ تاریخ میں ان کا یہ فتنہ "فتنہ ابن البرہان ظاہری" کے عنوان سے مشہور رہی۔

تعجب ہوتا ہے کہ حافظ صاحب نے بایں ہمہ علم وفضل و وسعت نظر محض ابن البرہان جیسے شخص کو خواب میں دیکھ لینے اور اسکے ایک بات کہہ دینے سے مسائل علمیہ میں قطعی فیصلہ کس طرح کر لیا فسبحان قاسم العقول

وفات ذی قعدہ سنہ ۸۵۲ھ میں اسہال لاحق ہوا خون بھی تھوکتے جاتے تھے بیماری کا سلسلہ ایک ماہ سے زائد ممتد رہا آخر ذی الحجہ کی اٹھائیسویں تاریخ کو سنیچر کی رات میں نماز عشاء کے بعد اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت کی۔ انتقال اپنے ہی گھر میں ہوا جو مدرسہ منکوتمریہ کے قریب اندرون باب[1] القنطرہ واقع تھا، سنیچر کے دن نماز ظہر سے ذرا پہلے قاہرہ کے باہر رمیلہ کے[2] مصلی المومنین میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جنازہ میں بڑا ہجوم تھا، خلیفہ وقت المستکفی باللہ عباسی اور الملک الظاہر سلطان جقمق مع ارکین و عمائد سلطنت حاضر تھے امرا و اکابر کا یہ حال تھا کہ کاندھا دینے کے لئے جنازہ پر ٹوٹے پڑتے۔ آخر سلطان نے خلیفہ کو آگے کیا اور امیر المومنین نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی، ابن طولون کا بیان ہے کہ شیخ علم الدین بلقینی نے خلیفہ کی اجازت سے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی، اسکے بعد آپ کی نعش کو اٹھا کر قرافہ صغری میں لائے اور جامع دیلمی کے بالمقابل بنو الخروبی کے قبرستان میں اس علم کے شہاب ثاقب کو سپرد خاک کیا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وغفر لہ مغفرۃ جامعۃ۔

وفات سے چند روز پہلے قاضی القضاۃ سعد الدین بن الدیری حنفی عیادت کے لئے تشریف لائے حافظ صاحب کی مزاج پرسی کی تو آپ نے جواب میں امام ابو القاسم زمخشری حنفی کے قصیدہ کے چار شعر آپ کو سنائے:۔

قَرُبَ الرَّحِیْلُ اِلٰی دِیَارِ الْاٰخِرَۃ ۔۔۔ فَاجْعَلْ اِلٰھِیْ خَیْرَ عُمْرِیْ اٰخِرَہ

دیار آخرت کا سفر قریب ہے ۔۔۔ سو اے میرے اللہ میری عمر کا آخری وقت سب سے اچھا کردے

وَارْحَمْ مَبِیْتِیْ فِی الْقُبُوْرِ وَوَحْدَتِیْ ۔۔۔ وَارْحَمْ عِظَامِیْ حِیْنَ تَبْقٰی نَاخِرَہ

قبرستان میں میری فرودگاہ شب پر رحم کر، میری تنہائی پر رحم کر ۔۔۔ میری ہڈیوں پر رحم کر جبکہ وہ بوسیدگی سے ریزہ ریزہ ہو کر باقی رہ جائینگی

فَاَنَا الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ اَیَّامُہٗ ۔۔۔ وَلَّتْ بِاَوْزَارٍ غَدَتْ مُتَوَاتِرَہ

سو میں وہ بیچارہ مسکین ہوں کہ جس کے ایام زندگی متواتر گناہوں میں کٹتے چلے گئے

[1] باب القنطرہ قاہرہ کا مشہور دروازہ ہے [2] یہ وہ مقام تھا جہاں نماز جنازہ ادا کی جاتی تھی۔

فَلَئِنْ رَحِمْتَ فَاَنْتَ اَکْرَمُ رَاحِمٍ ٭ فَبِحَارُ جُوْدِكَ یَااِلٰهِیْ زَاخِرَه

اب اگر تو نے رحم فرمایا تو تُو ہر رحم کرنے والے سے کریم تو ہے اور تیری بخشش کے سمندر تو اے میرے اللہ امڈتے ہی رہتے ہیں

آپ کی وفات پر بڑے بڑے ادباء وفضلاء نے نہایت دردناک مرثیے لکھے ہیں مشہور ادیب شہاب الدین ابوالطیب احمد بن محمد معروف بہ حجازی الضاری نے بھی آپ کا بڑا لمبا مرثیہ لکھا ہے جس میں اشعار بالا کی تضمین کردی ہے، اس کا مطلع یہ ہے:۔

کل البریة للمنیة صائرة ٭ وقفولها شیئًا فشیئًا سائرہ

یہ پورا مرثیہ حافظ ابن فہد نے اپنی کتاب لحظ الالحاظ میں نقل کردیا ہے۔

تصانیف

آپ کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے متجاوز ہے، یہ اگرچہ بیشتر حدیث رجال اور تاریخ سے متعلق ہیں لیکن ان میں بہت سی تصانیف ایسی بھی ہیں کہ ان میں ادب، فقہ اصول اور کلام کے مباحث بھی آگئے ہیں، یہ بات بھی غور طلب ہے کہ آپ نے اپنی حدیث اور رجال کی کتابوں میں حنفی حفاظِ حدیث بالخصوص حافظ مغلطائی حنفی اور حافظ جمال الدین زیلعی حنفی کی تصانیف سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے اور غنیمت ہے کہ اس کا حافظ صاحب کو خود بھی اعتراف ہے[1]، بلکہ الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ اور الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف "تو تمام تر امام زیلعی کی تخریج ہدایہ اور تخریج کشاف ہی کی تلخیص ہیں، حافظ صاحب کی تصانیف کے بارے میں بجائے اس کے کہ کسی دوسرے شخص سے اس بارے میں کچھ نقل کیا جائے خود ان کی ہی رائے پیش کرنا مناسب ہے کہ ؎

تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔ حافظ سخاوی کا بیان ہے۔

سمعته یقول لست راضیا عن شئ من تصانیفی لانی عملتها فی ابتداء الامر ثم لم یتهیأ لی من تحریرها سوی شرح البخاری ومقدمته والمشتبه والتهذیب ولسان المیزان بل رایته فی مواضع اثنی علی شرح البخاری والتعلیق والنخبة ثم قال واما سائر المجموعات فهی کثیرة العدد واهیة العدد ضعیفة القوی ظامیة الروی

مَیں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں اپنی تصانیف میں بجز شرح بخاری[1] مقدمہ شرح بخاری[2] مشتبہ النسبہ[3]، تہذیب التہذیب[4] اور لسان المیزان[5] کے اور کسی چیز سے خوش نہیں کیونکہ میں نے ان کو ابتدائی حالت میں مرتب کیا تھا اور پھر ان کو لکھنے کا موقع نہیں ملا بلکہ میں نے حافظ صاحب کو دیکھا کہ آپ نے متعدد مقامات پر شرح بخاری[1]، تعلیق التعلیق اور نخبۃ الفکر کی تعریف کی ہے۔ پھر حافظ صاحب نے فرمایا کہ باقی سب مجموعے گنتی میں تو زیادہ ہیں مگر مواد کے اعتبار سے بیکار ہیں۔ قوتوں کے لحاظ سے کمزور اور سیراب کو تشنہ کردینے والے ہیں۔

حافظ صاحب کی یہ سب کتابیں بجز المشتبہ اور تعلیق کے زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہوچکی ہیں۔ تصانیف مذکورہ کے علاوہ بلوغ المرام من ادلة الاحکام بھی حافظ صاحب کی تصانیف میں نہایت مقبول و متداول کتاب ہے جس پر حسب ذیل شرحیں لکھی جاچکی ہیں:۔

---

[1] اس کے لئے حافظ صاحب کی حسب ذیل کتابوں کے مقدمات ملاحظہ ہوں۔ تہذیب التہذیب، التلخیص الحبیر، الدرایہ، الکاف الشاف

۱۔ البدر التمام شرح بلوغ المرام از قاضی شرف الدین حسین بن محمد مغربی صنعانی، یہ نہایت مبسوط شرح ہے، علامہ امیر یمانی کی شرح اسی کی تلخیص ہے۔

۲۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام از علامہ سید محمد بن اسمٰعیل امیر یمانی المتوفی ۱۱۸۲ھ یہ شرح مصر میں متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔

۳۔ شرح بلوغ المرام از خاتمۃ الحفاظ علامہ محمد عابد سندھی حنفی المتوفی ۱۲۵۷ھ یہ شرح تمام نہ ہو سکی۔

۴۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام از سرخیل جماعۃ اہل حدیث نواب صدیق حسن خان المتوفی ۱۳۰۷ھ یہ فارسی زبان میں ہے اس میں حافظ صاحب کی التلخیص الجبیر اور سبل السلام کے مضامین کو اختصار کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ مکرر طبع ہو چکی ہے۔

۵۔ فتح العلام بشرح بلوغ المرام از مولوی نور الحسن بن نواب صدیق حسن خان، یہ کتاب تمام تر امیر یمانی کی سبل السلام کا سرقہ ہے چنانچہ مصر میں سبل السلام کے ناشرین نے اس کا شکوہ کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی سوانح حیات پر ان کے شاگرد رشید حافظ شمس الدین سخاوی کے قلم سے ایک بڑی جامع اور مبسوط کتاب نکلی ہے، جس کا نام الجواہر والدرر فی ترجمۃ شیخ الاسلام ابن حجر، یہ کتاب حسب تصریح سخاوی ایک ضخیم جلد یا دو جلدوں کے قریب قریب ہے۔

مقدمہ تفسیر ابن کثیر

الموسوم بہ

حیات حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیات امام حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ

نام ونسب: اسمٰعیل نام ابوالفدا کنیت، عماد الدین لقب اور ابن کثیر عرف ہے، سلسلہ نسب یہ ہے۔

اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن ذرع (حافظ ابوالمحاسن کے ذیل میں یہ لفظ ذال کے ساتھ چھپا ہوا ہے اور شذرات الذہب میں "زا" کے ساتھ) القیسی (حافظ ابن حجر کی درر کامنہ اور حافظ سیوطیؒ کے ذیل میں القیسی ہی مذکور ہے، لیکن حافظ ابن فہد کے ذیل میں بسلسلہ وفیات جہاں حافظ ابن کثیرؒ کے دونوں صاحبزادوں زین الدین عبد الرحمٰن اور بدر الدین محمد کی وفات کا ذکر آیا ہے دونوں جگہ القرشی لکھا ہے اور نواب صدیق حسن خان کی ابجد العلوم میں اور محمد بن عبد الرزاق حمزہ کے مقدمہ میں بھی یہی مرقوم ہے) البصروی ثم الدمشقی آپ ایک معزز اور علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ آپ کے والد شیخ ابو حفص شہاب الدین عمر اپنی بستی کے خطیب تھے اور آپ کے بڑے بھائی شیخ عبد الوہاب ممتاز عالم اور فقیہ تھے۔

ہم نے اس تذکرہ کے مرتب کرنے میں حسب ذیل کتابوں سے مدد لی ہے (۱) اختصار علوم الحدیث از حافظ ابن کثیرؒ مطبع ماجدیہ مکہ مکرمہ ۱۳۵۳ھ اس پر شیخ محمد بن عبد الرزاق حمزہ کے حواشی اور تعلیقات ہیں اور شروع میں ان ہی کے قلم سے ایک مقدمہ بھی ہے جس میں "حیاۃ الامام ابن کثیر" کے عنوان سے پانچ صفحات میں امام موصوف کا تذکرہ لکھا ہے (۲) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن (۳) ذیل تذکرۃ الحفاظ از حافظ ابوالمحاسن حسینی دمشقی المتوفی ۷۶۵ھ مطبوعہ دمشق (۴) الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ از عبد القادر قرشی حنفی المتوفی ۷۷۵ھ مطبوعہ دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ (۵) الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ از حافظ ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ (۶) لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ از حافظ تقی الدین ابن فہد المتوفی ۸۷۱ھ (۷) ذیل طبقات الحفاظ از حافظ سیوطیؒ المتوفی ۹۱۱ھ مطبوعہ دمشق (۸) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون از علامہ حاجی خلیفہ المتوفی ۱۰۶۷ھ مطبوعہ استنبول ۱۳۶۰ھ (۹) شذرات الذہب فی اخبار من ذہب از علامہ ابن العماد حنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ (۱۰) البدر الطالع المحاسن من بعد القرن السابع از قاضی محمد بن علی شوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ (۱۱) ابجد العلوم از نواب صدیق حسن خان قنوجی المتوفی ۱۳۰۷ھ مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۵ھ (۱۲) تعلیقات بر ذیول تذکرۃ الحفاظ از علامہ محدث زاہد کوثری المتوفی ۱۳۷۱ھ۔

ولادت وتعلیم وتربیت: آپ کی ولادت (حافظ سیوطیؒ نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں اور علامہ ابن العماد نے شذرات الذہب میں سنہ ولادت ۷۰۰ لکھا ہے اور حافظ ابوالمحاسن حسینی نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں اور قاضی شوکانیؒ نے البدر الطالع میں ۷۰۱ھ بتایا ہے اور حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنہ میں ۷۰۰ھ یا اس کے کچھ بعد بیان کیا ہے اور حافظ ذہبیؒ تذکرہ الحفاظ کے خاتمہ میں لکھتے ہیں یہ ۷۰۰ھ کے بعد یا اسی سنہ میں پیدا ہوئے) ۷۰۰ھ یا ۷۰۱ھ میں بمقام مجدل ہوئی جو ملک شام کے مشہور شہر بصری کے اطراف میں ایک قریہ ہے اس وقت آپ کے والد یہاں کے خطیب تھے ابھی آپ تیسرے یا چوتھے برس میں ہی تھے کہ والد بزرگوار نے ۷۰۳ھ میں وفات پائی اور نہایت ہی کم سنی میں آپ کو یتیمی کا داغ اٹھانا پڑا باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو بڑے بھائی نے اپنے آغوش تربیت میں لے لیا۔ والد کی وفات کے تین سال بعد یعنی ۷۰۶ھ میں آپ اپنے برادر بزرگوار کے ساتھ دمشق چلے آئے اور پھر یہیں آپ کی نشوونما ہوئی ابتدا میں اپنے بڑے بھائی سے فقہ کی تعلیم پائی بعد کو شیخ برہان الدین ابراہیم بن عبد الرحمٰن فزاری (معروف بابن فرکاح شارح تنبیہ المتوفی ۷۲۹ھ) اور شیخ کمال الدین ابن قاضی شہبہ سے اس فن کی تکمیل کی۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ طالب علم جس فن کو حاصل کرتا اس فن کی کوئی مختصر کتاب زبانی یاد کر لیتا چنانچہ آپ نے بھی فقہ میں التنبیہ فی فروع الشافعیہ (مصنفہ شیخ ابو اسحاق شیرازی المتوفی ۴۷۶ھ) کو حفظ کر کے ۷۱۸ھ میں سنادیا اور اصول فقہ میں علامہ ابن حاجب مالکی (المتوفی ۶۴۶ھ) کی مختصر کو زبانی یاد کیا۔ اصول کی کتابیں آپ نے علامہ شمس الدین محمود بن عبد الرحمٰن اصفہانی شارح مختصر ابن

حاجب (التوفی ۷۴۹ھ) سے پڑھی تھیں۔

فن حدیث کی تکمیل آپ نے اس عہد کے مشہور اساتذہ فن سے کی تھی۔ علامہ سیوطیؒ ذیل تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں ﴿سمع الحجار والطبقة﴾ حجار (اس عہد کے بڑے نامور محدث گزرے ہیں) "مسند الدنیا" (دنیا کو بتانے والے) اور "رحلۃ الآفاق" (جس کی طرف آفاق سے سفر کیا جائے) کہلاتے تھے ان کا درس ساری دنیا میں مشہور تھا دور دراز ممالک سے لوگ سفر کرکے آتے اور ان سے حدیث کی سند لے کر واپس ہوتے تھے ان کی کنیت ابو العباس لقب شہاب الدین اور نام احمد ہے حجار اور ابن الشحنہ عرف ہیں سلسلہ نسب یہ ہے احمد بن ابی طالب بن ابی النعم نعمۃ بن حسن بن علی بن بیان الدیر مقرنی ثم الصالحی حنفی المذہب تھے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے الدرر الکامنہ میں اور حافظ شمس الدین ابن طولون نے (الغرض العلیہ فی ذیل الجواہر المضیہ میں) آپ کا بڑا مبسوط تذکرہ لکھا ہے۔

آپ کے شیوخ اور مرویات بہت زیادہ ہیں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ آپ نے اس قدر عمر طویل پائی کہ دادا سے لے کر پوتوں تک کو درس دیا۔ چنانچہ دمشق وغیرہ میں ستر بار سے زیادہ صرف بخاری کا درس دیا اور اپنا وہ اعزاز واکرام دیکھا کہ جس سے زیادہ ہو نہیں سکتا، حفاظ حدیث چن چن کر آپ سے حدیثیں سنتے اور دور دور سے سفر کرکے آتے اور اژدھام کئے رہتے تھے وفات سے ایک دن پہلے محب الدین ابن المحب نے آپ سے صحیح بخاری شروع کی دوسرے دن ظہر تک سلسلہ درس جاری رہا۔ عین ظہر کے قریب ۲۵ صفر ۷۳۰ھ کو آپ نے انتقال فرمایا اور اس طبقہ کے علماء سے آپ نے سماع حدیث کیا۔ حجار کے ہم طبقہ وہ علماء جن سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا اور جن کا ذکر خصوصیت سے آپ کے تذکرہ میں علماء نے کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں (۱) عیسیٰ بن المطعم (۲) بہاؤ الدین قاسم بن عساکر التوفی ۷۲۳ھ (۳) عفیف الدین اسحاق بن یحییٰ الامدی التوفی ۷۲۵ھ (۴) محمد بن زراد (۵) بدر الدین محمد بن ابراہیم معروف بابن سویدی التوفی ۷۱۱ھ (۶) ابن الرضی (۷) حافظ مزی (۸) حافظ ابن تیمیہ (۹) حافظ ذہبی (۱۰) عماد الدین محمد بن الشیرازی التوفی ۷۴۹ھ۔

لیکن ان تمام حضرات میں سب سے زیادہ جس سے آپ کو استفادہ کا موقع ملا وہ محدث شام حافظ جمال الدین یوسف بن عبد الرحمن مزی شافعی (مصنف تہذیب الکمال التوفی ۷۴۲ھ) ہیں۔ حافظ مزی نے خصوصی تعلق کی بناء پر اپنی صاحبزادی کا آپ سے نکاح کر دیا تھا اس رشتہ نے اس تعلق کو اور زیادہ استوار کر دیا۔ سعادت مند شاگرد نے اپنے محترم استاد کی شفقت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا مدت مدید تک حاضر خدمت رہے، اور ان کی اکثر تصانیف کا جس میں تہذیب الکمال بھی داخل ہے خود ان سے سماع کیا اور اس فن کی پوری تکمیل ان ہی کی خدمت میں رہ کر کی۔ چنانچہ سیوطیؒ لکھتے ہیں ﴿وتخرج بالمزی ولازمه وبرع﴾ اسی طرح حافظ ابن تیمیہ (التوفی ۷۲۸ھ) سے بھی آپ نے بہت کچھ علم حاصل کیا تھا اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے تھے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ مصر سے آپ کو دبوسی وانی غالباً حافظ امین الدین محمد بن ابراہیم وانی حنفی التوفی ۷۳۵ھ مراد ہیں حافظ سیوطیؒ نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے اور ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ حافظ عبد القادر قرشی بھی حدیث میں ان کے شاگرد ہیں چنانچہ انہوں نے طبقات الحنفیہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کو الامام المحدث کے القاب سے یاد کیا ہے اور ختنی (یہ مصر کے نامور محدث بدر الدین یوسف بن عمر ختنی حنفی ہیں) "مسند البلاد المصویہ" کہلاتے تھے علوم اسناد میں منفرد تھے، ۷۳۱ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی امام تقی الدین سبکی احمد دمیاطی اور حافظ عبد القادر قرشی کے فن حدیث میں استاد ہیں حافظ قرشی نے الجواہر المضیہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے) وغیرہ نے حدیث کی اجازت دی تھی۔

منزلت علمی: امام ابن کثیر کو علم حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، تاریخ، اور عربیت میں بھی کمال حاصل تھا، چنانچہ علامہ ابن العماد حنبلی، ابن حبیب سے ناقل ہیں ﴿انتهت اليه رياس العلم فى التاريخ والحديث والتفسير﴾ ان پر تاریخ، حدیث اور تفسیر میں ریاست علمی ختم ہو گئی۔ اور مشہور مورخ علامہ ابو المحاسن جمال الدین یوسف ابن تغری بردی حنفی، المنہل الصافی المستوفی بعد الوافی میں لکھتے ہیں ﴿وكان له اطلاع عظيم فى الحديث والتفسير والفقه والعربية﴾ حدیث، تفسیر، فقہ، اور عربیت میں ان کو بڑی معلومات

تھیں اور حافظ ابوالمحاسن حسینیؒ فرماتے ہیں ﴿ وبرع فی الفقه والتفسير والنحو وامعن النظر فی الرجال والعلل ﴾ فقہ، تفسیر، اور نحو میں ماہر تھے اور رجال وعلل حدیث میں بڑی گہری نظر پیدا کی تھی۔

خاص طور پر علم حدیث میں تو ان کا یہ پایہ ہے کہ حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں چنانچہ حافظ ابوالمحاسن حسینیؒ اور علامہ سیوطیؒ نے تذکرۃ الحفاظ پر جو ذیل لکھے ہیں اس میں ان کا تذکرہ لکھاہے اور خود امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ کے خاتمہ میں جہاں اپنے ممتاز شیوخ حدیث اور رفقاء درس کا تعارف کرلیا ہے ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ شعر و سخن کا بھی ذوق تھا لیکن آپ کی نظم متوسط درجہ کی ہوتی تھی نمونہ کلام ملاحظہ ہو

﴿تمر بنا الا يام تترى وانما نساق الى الاجال والعين تنظر ﴾

(دن پیاپے گزرتے جاتے ہیں اور ہم آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہنکائے چلے جارہے ہیں)

﴿ فلا عائد ذاك الشباب الذى مضى ولا زائل هذا المشيب المكدر ﴾

(سواب نہ تو وہ گزری ہوئی جوانی لوٹ کر آسکتی ہے اور نہ یہ کدورت بھرا بڑھاپا زائل ہونے والا ہے)

دوسرے مصرعہ میں اگر ﴿ذاك الشباب﴾ کی بجائے ﴿صفو الشباب﴾ ہوتا تو بڑا بلیغ ہوتا۔

علماء کا آپ کی خدمت میں خراج تحسین: حافظ زین الدین عراقی (المتوفی ۸۰۶ھ) سے کسی نے پوچھا تھا۔ مغلطائی (مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں حنفی تھے حافظ ابن فہد اور حافظ سیوطیؒ نے اپنے اپنے ذیل میں ان کا تذکرہ لکھا ہے ۷۶۲ھ میں وفات پائی) ابن کثیرؒ، ابن رافع اور حسینی ان چاروں معاصرین میں کون سب سے بڑا ہے؟ حافظ عراقی نے جواب دیا ان میں سب سے زیادہ وسیع الاطلاع اور انساب کے عالم تو مغلطائی ہیں اور سب سے زیادہ متون و تواریخ کے حافظ ابن کثیرؒ ہیں اور سب سے زیادہ طلب حدیث میں نکلنے والے اور موتلف ومختلف کے عالم ابن رافع ہیں اور سب سے زیادہ شیوخ معاصرین سے باخبر اور تخریج کے واقف حسینی ہیں اور حافظ ذہبیؒ نے المعجم المختص میں ابن کثیر کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا ہے ﴿ الامام المفتى المحدث البارع فقيه متفنن ومحدث متقن مفسر ﴾ اور تذکرۃ الحفاظ کے خاتمہ میں ان القاب کے ساتھ یاد کرتے ہیں ﴿ الفقيه المفتى المحدث ذى الفضائل ﴾ اور اس کے بعد لکھتے ہیں ﴿ وله عناية بالرجال والمتون والفقه خرج و ناظر وصنف وفسر وتقدم ﴾ ان کو رجال متون حدیث اور فقہ کے ساتھ اعتناء ہے انہوں نے احادیث کی تخریج کی، مناظرہ کیا، تصنیف کی، تفسیر لکھی اور آگے بڑھ گئے اور حافظ حسینی کے انکے بارے میں یہ الفاظ ہیں ﴿ الشيخ الامام العالم الحافظ المفيد البارع ﴾ اور حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں ﴿ المام المحدث ذو الفضائل ﴾ اور علامہ ابن العماد لکھتے ہیں ﴿ الحافظ الكبير ﴾ اور حافظ ابن حجی المتوفی ۸۱۶ھ جو آپ کے نامور شاگرد ہیں یہ رائے ظاہر کرتے ہیں ﴿احفظ من ادركناه لمتون الاحاديث واعرفهم بجرحها ورجالها وصحيحها وسقيمها وكان اقرانه وشيوخه يعترفون له بذلك وما اعرف انى اجتمعت به على كثرة ترددى اليه الا واستفدت منه ﴾ ہم نے جن لوگوں کو پایا ان سب میں وہ متون احادیث کے سب سے بڑے حافظ اور جرح اور رجال اور صحیح اور ضعیف کے سب سے زیادہ پہچاننے والے تھے اور اس بارے میں ان کے معاصرین اور اساتذہ بھی ان کے معترف تھے اور مجھے یاد نہیں کہ باوجود میرے کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے کبھی ایسا اتفاق ہوا ہو کہ میں آپ سے ملا ہوں اور استفادہ نہ کرسکا ہوں اور حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی الرد الوافر میں ان کا تذکرہ اس طرح شروع کرتے ہیں ﴿ الشيخ الامام العلامة الحافظ عماد الدين ثقة المحدثين عمد المؤرخين علم المفسرين ﴾ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (جن کے متعلق صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ "ان کا قلم لوگوں کے اظہار معائب میں برا تھا اور زبان اچھی تھی کاش معاملہ الٹا ہوتا کہ خوبی باقی رہتی") اصل عبارت یہ ہے ﴿ كان قلم ابن حجرؒ سيئا فى مثالب الناس ولسانه حسنا وليته عكس ليبقى الحسن ضمن الجواهر والدرر ﴾ ان کو بھی امام ابن کثیر کے متعلق اتنا تسلیم ہے کہ ﴿ واشتغل بالحديث مطالع فى متونه ورجاله ﴾ حدیث کے متون اور رجال کے مطالعہ میں مشغول رہے تاہم اپنی عادت کے مطابق یہ لکھ گئے ہیں ﴿ ولم يكن على طريق المحدثين فى تحصيل العوالى وتميز العالى من النازل ونحو ذلك من فنونهم وانما هو من

محدثی الفقهاء ﴾ یہ عالی اسانید کی تحصیل اور عالی و نازل کی تمیز اور اسی قسم کے دیگر فنون میں جو محدثین کے خاص فن ہیں محدثین کی طرح نہ تھے بلکہ یہ تو فقہاء کے محدث تھے۔

لیکن حافظ سیوطیؒ نے اس کا بڑا اچھا جواب دیا ہے وہ فرماتے ہیں ﴿ قلت العمدة فی علم الحدیث معرف صحیح الحدیث وسقیمه وعلله واختلاف طرقه ورجاله جرحا وتعد یلا واما العالی والنازل ونحو ذالك فهو من الفضلات لا من الاصول المهمة ﴾ میں کہتا ہوں کہ اصل چیز علم حدیث میں صحیح اور سقیم کی پہچان اور علل اور اختلاف طرق کا علم اور رجال کی جرح و تعدیل سے واقفیت ہے رہا عالی (جس سند میں وسائط کم ہوں وہ عالی ہے اور جس میں زیادہ ہوں وہ نازل ہے فقہاء کا اصل کام ہے مسائل کا استنباط اس لئے ان کی نظر زیادہ تر متن حدیث پر ہوتی ہے اور وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اس سے مسئلہ کیا نکلا۔ سند سے انہیں صرف اتنی بحث ہوتی ہے کہ اس میں جتنے لوگوں کے نام لئے جا رہے ہیں بس وہ معتبر اور قابل قبول ہیں باقی رہی یہ بات کہ اس میں واسطے زیادہ ہیں یا کم یہ چیز ان کی نظر میں چنداں اہم نہیں، لیکن ارباب روایت میں اس کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ ان کے نزدیک صرف ایک واسطے کو کم کرنے کے لئے بھی سفر مستحسن ہے) و نازل وغیرہ سو یہ زوائد میں داخل ہیں نہ کہ اصول مہمہ میں اور علامہ محدث زاہد الکوثری لکھتے ہیں اگرچہ حافظ ابن کثیرؒ پر متون حدیث کے حفظ کرنے کا زیادہ غلبہ تھا لیکن ان کی حیثیت اتنی گری ہوئی بالکل نہ تھی کہ وہ طبقات راوۃ اور ان کے احوال کی معرفت کے اعتبار سے عالی و نازل کی بھی تمیز نہ کر سکتے ہوں بلکہ یہ بات تو ایسے شخص پر بھی مخفی نہیں رہ سکتی جو علم رجال میں ان سے بدرجہا کمتر ہو اور بھلا یہ کس طرح ہو سکتا تھا جب کہ وہ ایک طویل مدت تک مزی کی خدمت میں برابر حاضر رہے اور انکمیل کے جمع کرنے پر لگے رہے اور حافظ ابن حجرؒ کی اندرونی باتیں ان لوگوں کے تذکرہ میں کھل جاتی ہیں جو فضل و کمال میں مشہور ہیں مورخین نے حافظ ابن کثیرؒ کے حافظہ اور فہم کی خاص طور پر تعریف کی ہے ابن العماد لکھتے ہیں۔ ﴿ کان کثیر الاستحضار قلیل النسیان جید الفهم ﴾ کہ ابن کثیرؒ زیادہ یاد رکھنے والے کم بھولنے والے اور بہت سمجھ والے تھے۔

درس و افتاء، ذکر الٰہی، شگفتہ مزاجی: حافظ ابن کثیرؒ کی تمام عمر درس و افتا اور تصنیف و تالیف میں بسر ہوئی حافظ ذہبیؒ کی وفات کے بعد مدرسہ ام صالح اور مدرسہ تنکزیہ (جو اس زمانہ میں علم حدیث کے مشہور مدارس سے تھے) میں آپ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے بڑے ذاکر شاغل تھے چنانچہ ابن حبیب نے آپ کے متعلق لکھا ہے ﴿ امام ذی التسبیح والتهلیل ﴾ طبیعت بڑی شگفتہ پائی تھی لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے حافظ ابن حجرؒ نے آپ کے اوصاف میں ﴿ حسن الفاکهة ﴾ کے الفاظ استعمال کئے ہیں یعنی بڑا پر لطف مزاح کیا کرتے تھے غالباً اسی قسم کا یہ واقعہ بھی ہے کہ جب حافظ زین الدین عراقی جو فن حدیث (حافظ ابن فہد ذیل تذکرۃ الحفاظ میں حافظ عراقی کے ترجمے میں لکھتے ہیں ﴿ اخذ علم الحدیث عن الشیخ علاء الدین ابن الترکمانی وبه تخرج وانتفع ﴾ میں امام حافظ علاء الدین ابن الترکمانی حنفی (مصنف الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی) کے تلمیذ خاص اور ان ہی کے ساختہ پرداختہ تھے، شیخ الاسلام تقی الدین سبکی کے درس میں حاضر ہوئے تو شیخ الاسلام نے اپنے درس میں بڑی عظمت کے ساتھ ان کا ذکر کیا اور بڑے اہتمام سے ان کا تعارف کرایا اور ان کی معرفت و اتقان کی بہت تعریف کی اس پر حافظ ابن کثیرؒ بولے کہ مجھے تو ان سے یہ بھی بعید معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماء مشمس (وہ پانی جو دھوپ سے گرم ہو گیا ہو) سے وضو کے بارے میں جو حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے اسی کو نکال سکیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ سے خصوصی تعلق: اخیر میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ کو اپنے استاد علامہ ابن تیمیہؒ سے خصوصی تعلق تھا جس نے آپ کی علمی زندگی پر گہرا اثر ڈالا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ بعض ان مسائل میں بھی ابن تیمیہؒ سے متاثر تھے جن میں وہ جمہور سلف سے منفرد ہیں

چنانچہ ابن قاضی شہبہ اپنے طبقات میں لکھتے ہیں ﴿ کانت له خصوصیة بابن تیمیة ومناضلة عنه واتباع له فی کثیر من ارائه وکان یفتی برایه فی مسئله الطلاق وامتحن بسبب ذلك واوذی ﴾ ان کو ابن تیمیہ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا اور ان کی طرف

سے لڑا کرتے تھے اور بہت سی آراء میں انکی اتباع کرتے تھے چنانچہ طلاق کے مسئلہ میں (شیخ ابن تیمیہؒ کی رائے میں اگر تین طلاقیں ایک ہی ساتھ دی جائیں تو وہ ایک شمار ہوگی) میں بھی انہی کی رائے پر فتوی دیتے تھے جس کے نتیجے میں آزمائش میں پڑے اور ستائے گئے۔

وفات: اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی جمعرات کے دن شعبان کی چھبیس تاریخ ۷۷۴ھ میں وفات پائی اور مقبرہ صوفیہ میں اپنے محبوب استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے آپ کے کسی شاگرد نے آپ کی وفات پر بڑا دردانگیز مرثیہ لکھا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں

﴿لفقدك طلاب العلوم تاسفوا وجادوا بلمع لا يبيد غزير﴾

﴿ولو مزجوا ماء المدامع بالدما لكان قليلاً فيك يا ابن كثير﴾

شائقین علوم تمہارے اٹھ جانے پر متاسف ہیں اور اس کثرت سے آنسو بہا رہے ہیں کہ تھمنے ہی کو نہیں آتے اور اگر وہ آنسوؤں کے ساتھ خون بھی ملا دیتے تب بھی اے ابن کثیر تمہارے لئے یہ تھوڑا تھا) پسماندگان (میں دو صاحبزادے جو بڑے نامور ہوئے ہیں ایک زین الدین عبدالرحمٰن جن کی وفات ۷۹۲ھ میں ہوئی ہے اور دوسرے بدرالدین ابوالبقاء محمد یہ بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں انہوں نے ۸۰۳ھ میں بمقام رملہ وفات پائی ان دونوں) کا ذکر حافظ ابن فہد نے اپنے ذیل میں بسلسلہ وفیات کیا ہے۔

تصنیفات: آپ نے تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ میں بڑی بلند پایہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ یہ آپ کے اخلاص کا ثمرہ اور حسن نیت کی برکت تھی کہ بارگاہ ایزدی سے ان کو قبول عام اور شہرت دوام عطا ہوئی مورخین نے آپ کی تصانیف کی افادیت اور ان کی قبولیت کا ذکر خاص طور سے کیا ہے ذہبیؒ لکھتے ہیں ﴿وله تصانيف مفيدة﴾ ابن حجرؒ کہتے ہیں سند سادت قصانیف ﴿في البلاد في حياته وانتفع الناس بها بعد وفاته﴾ ان کی زندگی ہی میں ان کی تصانیف شہر شہر جا پہنچیں اور ان کی وفات کے بعد لوگ ان سے نفع اندوز ہوتے رہے۔ اور شوکانیؒ لکھتے ہیں ﴿وقد انتفع الناس بتصانيفه لاسيما التفسير﴾ لوگوں نے ان کی تصانیف خصوصاً تفسیر سے نفع اٹھایا۔ آپ کی جن تصانیف پر ہمیں اطلاع مل سکی وہ حسب ذیل ہیں

۱۔ **تفسیر القرآن الکریم:** جس کے متعلق حافظ سیوطیؒ تصریح کرتے ہیں کہ ﴿لم ينولف على نمطه مثله﴾ اس طرز پر دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی اور محدث کوثری فرماتے ہیں:۔

﴿هو من افيد كتب التفسير بالرواية﴾ یہ تفسیر بالروایت میں سب سے زیادہ مفید کتاب ہے۔

تفسیر القرآن الکریم کی خصوصیت قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:۔

﴿وقد جمع فيه فاوعى ونقل المذاهب والاخبار والاثار وتكلم باحسن كلام وانفسه﴾ اس میں جمع کیا اور خوب محفوظ کردیا، مذاہب نقل کئے احادیث لکھیں، آثار درج کئے اور بہت ہی عمدہ اور نہایت نفیس کلام فرمایا مصنف اس کتاب میں سب سے پہلے تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر ایک آیت کی تفسیر اسی مضمون کی دوسری آیات کی روشنی میں کرتے ہیں پھر محدثین کی مشہور کتابوں سے اس کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان کو نقل کرکے ان کی اسانید ورجال پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور اس کے بعد آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین رحمتہ اللہ علیہم کو لاتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ کا یہ سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے کہ انہوں نے تفسیر اور تاریخ سے اسرائیلیات کو بہت کچھ چھانٹ کر علیحدہ کردیا ہے اور سچ یہ ہے کہ اس اہم کام کے لئے ان جیسے بالغ نظر محدث ہی کی ضرورت تھی یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اگر ان کی علمی خدمات میں صرف یہی ایک خدمت ہوتی تب بھی وہ ان کے فخر کے لئے کافی تھی۔ الحمد للہ یہ کتاب متداول ہے اور بارہا طبع ہوچکی ہے۔ یہ الفاظ اسی کتاب (تفسیر ابن کثیر) کے بارے میں ہیں جو آپ کے زیر مطالعہ ہے۔ جس کو اب طبع کرنے کی سعادت حذیفہ اکیڈمی کے حصہ میں آئی۔ ﴿الحمد لله على ذلك۔﴾

۲۔ **البدایہ والنہایہ:** یہ فن تاریخ میں ان کی بیش بہا تصنیف ہے اور مصر سے طبع ہو کر شائع ہوچکی ہے اس میں ابتداء کائنات سے لے

کر احوال آخرت تک درج ہیں پہلے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور امم ماضیہ کا ذکر ہے پھر سیرت نبویہ کا بیان ہے اور اس کے بعد خلافت راشدہ سے لے کر اپنے عہد تک کی مفصل تاریخ لکھی ہے پھر اشراط الساعۃ اور احوال آخرت کا بیان ہے اس تاریخ میں بھی امام موصوف نے غرائب، مناکیر اور اسرائیلیات کو چھانٹ دیا ہے صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں ﴿ **اعتمد فی نقله علی النص من الکتاب والنس فی وقائع الالوف السالف ومیز بین الصحیح والسقیم والخبر الاسرائیلی** ﴾ وغیرہ گذشتہ ہزارہا سال کے وقائع میں کتاب وسنت کی تصریح پر اعتماد کیا ہے اور صحیح ضعیف اور اسرائیلی روایات وغیرہ کو جدا کر دیا ہے۔

مورخ ابن تغری بردی اس تاریخ کے متعلق لکھتے ہیں ﴿ **ھو فی غای الجود** ﴾ یہ نہایت ہی خوب ہے امام علامہ حافظ بدر الدین محمود عینی حنفی شارح بخاری نے اپنی تاریخ میں زیادہ تر اسی کتاب پر اعتماد کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کا اختصار بھی کیا ہے کشف الظنون میں ہے کہ محمود بن محمد بن دلشاد نے البدایہ والنہایہ کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ اس تاریخ میں واقعات اور وفیات دونوں درج ہیں سیرت نبویہ کا حصہ خاص طور پر سب سے بہتر ہے مگر بے شمار مشاہیر علماء کا تذکرہ کتاب میں درج ہونے سے رہ گیا ہے اس میں مصنفؒ کی وفات سے ۲ سال قبل تک کے حالات آگئے ہیں۔ پاکستان میں اس کا اردو زبان میں (تاریخ ابن کثیر) ترجمہ وطبع ہو چکا ہے۔

۳۔ **التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل:** صاحب کشف الظنون نے اس کتاب کا نام ﴿ **التکملة فی اسماء الثقات والضعفاء** ﴾ لکھا ہے لیکن خود مصنف نے البدایہ والنہایہ اور اختصار علوم الحدیث میں یہی نام لکھا ہے یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے فن رجال میں ہے اور حسب تصریح حافظ حسینی پانچ جلدوں میں ہے اس میں مصنفؒ نے حافظ مزی کی تہذیب الکمال اور حافظ ذہبیؒ کی میزان الاعتدال کو جمع کر دیا ہے اور جابجا اپنی طرف سے اس میں مفید اضافے بھی کئے ہیں خود مصنفؒ کی رائے اس کتاب کے بارے میں یہ ہے ﴿ **ھو انفع شیئی للفقیه البارع وکذالك للمحدث** ﴾ یہ ان چیزوں میں ہے کہ جو ماہر فقیہ اور اسی طرح ایک محدث کے لئے بہت زیادہ نفع بخش ہے۔

۴۔ **الہدی والسنن فی احادیث المسانید والسنن:** یہی کتاب ہے جو "جامع المسانید" کے نام سے مشہور ہے مصنف نے اس میں مسند امام احمد ابن حنبلؒ، مسند بزار، مسند ابی یعلی، مسند ابی شیبہ اور صحاح ستہ کی روایات کو جمع کر کے ان کو ابواب پر مرتب کر دیا ہے محدث کوثری لکھتے ہیں ﴿ **ھو من انفع کتبه** ﴾ یہ انکی تصانیف میں سب سے زیادہ نفع بخش ہے اس کتاب کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔ یہ کتاب بھی عربی میں طبع ہو کر مارکیٹ میں آگئی ہے۔

۵۔ **طبقات الشافعیہ:** اس میں فقہاء شافعیہ کا تذکرہ ہے اس کا قلمی نسخہ شیخ محمد بن عبدالرزاق حمزہ نے شیخ حسین باسلامہ کے پاس دیکھا ہے جو مکہ معظمہ میں مجلس شوری کے رکن تھے۔ یہ کتاب بھی عربی میں طبع ہو کر آچکی ہے۔

۶۔ **مناقب الشافعی:** یہ رسالہ امام شافعیؒ کے حالات میں ہے مصنف نے اس کا ذکر البدایہ والنہایہ میں امام شافعیؒ کے تذکرہ میں کیا ہے اس کا قلمی نسخہ بھی طبقات الشافعیہ کے ساتھ مجلد ہے صاحب کشف الظنون نے اس رسالہ کا نام الواضح النفیس فی مناقب الامام ابن ادریس لکھا ہے۔

۷۔ **تخریج احادیث ادلۃ التنبیہ:**

۸۔ **تخریج احادیث:** مختصر ابن الحاجب التنبیہ اور مختصر یہ دونوں کتابیں وہی ہیں جنکو مصنفؒ نے عہد طالب علمی میں حفظ کیا تھا۔ ان دونوں کتابوں میں کتب حدیث سے تخریج بھی لکھی ہے

۹۔ **شرح صحیح بخاری:** اس کی تصنیف بھی شروع کی تھی مگر نا تمام رہ گئی کشف الظنون میں ہے کہ صرف ابتدائی حصے کی شرح ہے مصنفؒ

نے اس کا ذکر اختصار علوم الحدیث میں کیا ہے

۱۰۔ الاحکام الکبیر: یہ کتاب بہت بڑے پیمانہ پر احادیث احکام میں لکھنی شروع کی تھی مگر کتاب الحج تک لکھ سکے تمام نہ کر سکے مصنفؒ نے اختصار علوم الحدیث میں اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ اختصار علوم الحدیث: نواب صدیق حسن خان نے منہج الوصول فی اصطلاح احادیث الرسول میں اس کا نام الباعث الحثیث علی معرفۃ علوم الحدیث لکھا ہے یہ علامہ ابن صلاح (المتوفی ۶۴۳ھ) کی مشہور کتاب "علوم الحدیث" معروف بہ مقدمہ ابن الصلاح کا جو اصول حدیث میں ہے اختصار ہے مصنفؒ نے اس میں جابجا مفید اضافے کئے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں ﴿ وله فيه فوائد﴾ اس کتاب میں حافظ ابن کثیرؒ کے بہت سے افادات ہیں۔

۱۲۔ مسند الشیخین: اس میں شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیثیں مروی ہیں ان کو جمع کیا گیا ہے مصنفؒ نے اختصار علوم الحدیث میں اپنی ایک تصنیف مسند عمرؓ کا ذکر کیا ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا وہ مستقل علیحدہ کتاب ہے یا اسی کا حصہ ثانی ہے۔

۱۳۔ السیرۃ النبویہ: یہ سیرت پر بڑی طویل کتاب ہے

۱۴۔ الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول: یہ سیرت پر ایک مختصر کتاب ہے۔

مصنفؒ نے اس کا ذکر اپنی تفسیر میں سورۂ احزاب کے اندر غزوہ خندق کے بیان میں کیا ہے اس کتاب کا قلمی نسخہ مدینہ منورہ میں کتب خانہ شیخ الاسلام میں موجود ہے۔ یہ کتاب الفصول فی سیرۃ الرسول کے نام سے عربی اور اردو میں طبع ہو چکی ہے۔

۱۵۔ کتاب المقدمات: اس کا ذکر مصنفؒ نے اختصار علوم الحدیث میں کیا ہے۔

۱۶۔ مختصر کتاب المدخل للبیہقی: اس کا ذکر بھی اختصار علوم الحدیث کے مقدمہ میں کیا ہے

۱۷۔ الاجتہاد فی طلب الجہاد: جب فرنگیوں نے قلعہ ایاس کا محاصرہ کیا اس وقت آپ نے یہ رسالہ امیر منجک کے لئے لکھا ہے یہ رسالہ مصر سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

۱۸۔ رسالہ فی فضائل القرآن: یہ رسالہ بھی تفسیر ابن کثیر کے ساتھ مطبع المنار مصر میں طبع ہو چکا ہے

۱۹۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ: کو بھی حروف پر مرتب کیا تھا اور اس کے ساتھ طبرانی کی معجم اور ابو یعلی کی مسند سے زوائد بھی درج کئے تھے۔

امام ابن کثیرؒ کی تمام تصانیف میں یہ خوبی عیاں ہے کہ جو کچھ لکھتے ہیں نہایت تحقیق کے ساتھ لکھتے ہیں اور مفصل لکھتے ہیں عبارت سہل اور پیرایۂ بیان دلکش ہوتا ہے۔

﴿ ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل فى قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا انك رؤف الرحيم ﴾

مقدمہ

سبیل الرشاد

مؤلفہ

فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يَا قَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ (پ۲۴، ع۹)

نہایت مفید اور جامع رسالہ

سَبِیْلُ الرَّشَاد

از

حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

حواشی و تعلیقات

حضرت مولانا محمد امیر علوی صاحب میرٹھی دامت برکاتہم العالیہ

ناشر

مُکْتَبَۃُ الْحَیّ وَالْمَدَنی

محمد حنیف بڑوتوی، اورنگ آباد نمبر ۶/ ۶۱۰، کراچی نمبر ۱۸۔

مقدمہ

حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

رفیق مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اما بعد

ہندوستان جنت نشان اس کرۂ ارضی کا وہ خطہ ہے، جہاں سب سے پہلے افرادانسانی کے ابوالآباء حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہبوط واقع ہوا چنانچہ یہ مضمون کتب احادیث کی متعدد روایات سے ثابت ہے۔ حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی ۱۲۰۰ ہجری نے اپنی گرانقدر تصنیف سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان کی فصل اول میں اس سلسلہ کی تمام روایات کو جمع کردیا ہے[۱]۔ اس بنا پر عالم انسانیت میں تعلیم ربانی کا آغاز اسی سرزمین سے ہوا ہے۔ لیکن یہ عالم انسانیت کا عہد طفولیت تھا۔ پھر جب یہ سوہنی دھرتی آدمیوں سے آباد ہونے لگی تو ان کی اصلاح وتعلیم کے لئے وقتاً فوقتاً خدا کے برگزیدہ بندے آتے رہے اور ان کو راہِ حق دکھلاتے رہے۔ چنانچہ قرآن عظیم کی تصریح ہے۔

وان من امۃ الاخلافیھا نذیر ○ (الفاطر ۲۴)

اورکوئی فرقہ نہیں جس میں کوئی ڈرسنانے والا نہ گذرا ہو۔

---

[۱] ملاحظہ ہو "سبحۃ المرجان" ص ۴ تا ص ۲۴، واضح رہے کہ علامہ موصوف نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ قلم بند فرمایا ہے جس کا نام ہے "شمامۃ العنبر فیما وردفی الہند عن سید البشر" اس رسالہ میں تفسیر واحادیث کی کتابوں میں جو کچھ ہندوستان کے متعلق مولانا غلام علی کی نظر سے گذرا تھا اس کو انہوں نے یکجا کردیا ہے۔ پھر اس رسالہ کو "سبحۃ المرجان" کا جزو بنا کر بتمام وکمال اس کی ابتداء میں نقل کردیا ہے "سبحۃ المرجان" ایک صدی ہونے کو آئی جب ۱۳۰۳ [illegible]

یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا اور کچھ ہند ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ جہاں بھی عالم انسانیت نے جنم لیا، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر، ہادی اور نذیر وہاں برابر آتے رہے، اور انسانوں کو دین حق کی طرف بلاتے اور اس کی تعلیم دیتے رہے، تاہم تعلیم و تعلم اور دعوت حق کا یہ سلسلہ مقامی، وقتی اور نسلی تھا کیونکہ عالم انسانیت ابھی عہدِ طفلی سے عہدِ شباب کی طرف گامزن تھا اور دنیا مختلف نسلوں، گروہوں اور جغرافیائی حد بندیوں میں بٹی ہوئی تھی۔ پھر جب عالم انسانیت نے شباب کی منزل میں قدم رکھا اور اس کے قوائے علمی و عملی میں بہار آنا شروع ہوئی اور ایسا وقت آگیا کہ اب وہ امت واحدہ بن کر تکمیل دین اور اتمام نعمت الٰہی کی دولت سے مشرف ہو تو حق تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر عالم انسانیت کی روحانی ضرورت کو جس کا وہ زبان حال سے ملتجی تھا پورا فرمایا اور اعلان کر دیا گیا کہ

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ ۳)

آج میں تمہارے لئے تمہارا دین پورا کر چکا اور تم پر اپنی نعمت گو میں نے پورا کر دیا اور تمہارے واسطے میں نے دین اسلام کو پسند کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیاء اور رسل آئے وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں اور خاص خاص مقامات کی طرف بھیجے گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف ہوئی۔ اس میں کالے، گورے، سرخ، سفید، اور زرد کی کوئی تخصیص نہیں۔ اس لئے رومی، شامی، فرنگی، حبشی، ترک، تاتار، تاجیک دیلم، چینی، جاپانی، ہندی، افغانی غرض تمام عرب و عجم اور ہر قوم اور ہر جنس کے لوگ آپ میں

برابر کے حقدار ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وما ارسلنک الا کافۃ للناس (السباء ۲۸)

اور ہم نے تو آپ کو تمام ہی انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً (الاعراف ۱۵۸)

اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیامبر ہوں۔

صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھ سے پہلے جو نبی بھیجا جاتا تھا وہ خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کی طرف بھیجا گیا ہوں[۱]'' اس معنیٰ کی روایتیں کتب حدیث میں بکثرت وارد ہیں، اور اس کی عملی دلیل مطلوب ہو تو سارے پیغمبروں کے حالات پڑھ جایئے سب کے ماننے والوں کو ان کی زندگی میں آپ اسی ملک اور قوم میں محدود پائیں گے۔ جس ملک اور قوم کی طرف ان کی بعثت ہوئی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں خود آپ ہی کی حیات طیبہ میں ہم کو بلال حبشیؓ صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ کے بھی نام ملیں گے اور شاہانِ عالم کے نام جو آپ نے دین اسلام کے دعوت نامے روانہ فرمائے تھے وہ بھی عموم دعوت کی ایک بڑی بھاری عملی دلیل ہے۔

بہار عالم حسنش جہاں را تازہ می دارد

برنگ اصحاب صورت را بہ بوار باب معنی را

اس بنا پر دین اسلام وہ ابر رحمت تھا جو اس دنیا کے چپہ چپہ پر برسا مگر فیض ہر ایک نے بقدر استعداد اٹھایا۔

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و درشورہ بوم خس

ہمارے ہندوستان کی قسمت میں بھی اس بارانِ رحمت سے فیض اٹھانا مقدر

۱؎ ملاحظہ ہو صحیح بخاری اور صحیح مسلم، کتاب المساجد

تھا۔ غازیانِ ہند کو فتح ہند سے کئی صدی پہلے بشارت دی جا چکی تھی۔

عصابتان من امتی احرزهما الله من النار. عصابة تغذوا الهند . وعصابة تکون مع عیسی بن مریم

میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے آتشِ دوزخ سے بچالیا ہے ایک وہ جو ہندوستان کے غزوہ میں شریک ہوگا اور دوسرا وہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔

اس روایت کو امام احمد نے اپنی مسند[1] میں، اور امام نسائی نے اپنی سنن[2] میں اور حافظ ضیاء مقدسی نے ''المختارہ''[3] میں نیز طبرانی نے بسند جید[4] حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

وعدنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی غزوة الهند فان استشهدت کنت من خیرا الشهداء وان رجعت فانا ابوهریرة المحرر (مسند امام احمد بن حنبلؒ) (ج۲ص۲۲۹)

ہم سے (یعنی مسلمانوں سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان کے غزوے کے بارے میں وعدہ فرمایا ہے، تو اگر میں اس میں شہید ہوگیا تو بہترین شہیدوں میں ہوگا اور اگر صحیح وسلامت واپس آگیا تو (دوزخ سے) آزاد

---

[1] ج۵ص۱۷۸ [2] سنن نسائی کتاب الجهاد، غزوة الہند [3] ملاحظہ ہو ''الفتح الکبیر فی ضم الزیادہ الی الجامع الصغیر'' ج۲ص۲۲۹ طبع مصر [4] بہجۃ المرجان ص۲۱ حافظ نور الدین ہیثمی نے مجمع الزوائد کی کتاب الجہاد باب غزوة الہند میں اس روایت کو طبرانی کی المعجم الاوسط کے حوالے سے نقل کیا ہے تعجب ہے کہ حافظ ہیثمی نے اس روایت کو زوائد میں شمار کیا حالانکہ یہ روایت تو بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ سنن نسائی میں موجود ہے اور زوائد میں ان روایات کا ذکر کیا جاتا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور نہ ہوں۔ نیز حوالے میں صرف المعجم الاوسط کا ذکر کیا ہے مسند احمد کا نہیں حالانکہ مجمع الزوائد میں انہوں نے مسند احمد کے بھی زوائد کو جمع کیا ہے اور یہ روایت مسند احمد میں بھی موجود ہے۔

ابوہریرہ ہوں گا۔

اور سنن نسائی میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

وعدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم غزوة الهند فان ادركتها انفق فيها نفسي 'ومالي' فان اقتل كنت من افضل الشهداء فان ارجع فانا ابوهريرة المحرر

(کتاب الجہاد)

ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ہند کا وعدہ فرمایا ہے۔ سو اگر مجھے اس غزوے میں شرکت کا زمانہ ملا تو میں اس میں اپنی جان و مال قربان کردوں گا پھر اگر میں اس میں شہید ہو گیا۔ تو افضل شہیدوں میں ہوں گا اور اگر زندہ واپس لوٹ آیا تو میں دوزخ سے آزاد ابوہریرہ ہونگا۔

واضح رہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وعدہ عام امت محمدیہ سے تھا خاص افراد سے نہ تھا اس لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تردد تھا کہ خدا جانے اس غزوہ ہند میں مجھے شرکت کی سعادت نصیب ہو یا نہ ہو غور فرمایئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی امام احمد بن حنبلؒ المتوفی ۲۴۱ ہجری کی مسند میں موجود ہے جو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے "غزوہ ہند" ۳۹۲ ہجری سے تقریبا ہونے دو سو سال پہلے کی تصنیف ہے۔ مسند احمد ہی کی ایک کو دوسری روایت میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے "ہند" کے ساتھ "سند" کے الفاظ بھی آئے ہیں، یہ روایت حسب ذیل ہے۔

حدثنا يحيٰى بن اسحق حدثنا البراء عن الحسن عن ابى هريره قال حدثنى خليلى الصادق رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال يكون فى هذه الامة بعث الى السند والهند فان انا ادركته فاستشهدت

فذلک وان أنا تذکر کلمة رجعت وانا ابوھریرة المحرر قد اعتقنی من النار (ج۲ص۳۶۹)

ہم سے یحییٰ بن اسحاق نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہم سے براء نے حسن بصریؒ کی روایت سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث بیان کی کہ مجھ سے میرے محبوب صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس امت میں سندھ اور ہند کی طرف لشکر کشی ہوگی، سو اگر میں نے وہ زمانہ پایا اور شہید ہو گیا تو مراد بر آئی اور اگر (اس کے بعد انہوں نے کچھ فرمایا جو یہ تھا کہ) میں زندہ لوٹ آیا تو اس حال میں لوٹوں گا کہ میں آزاد ابوہریرہ ہوں گا اللہ تعالیٰ نے مجھے دوزخ سے آزاد فرما دیا ہوگا۔

حافظ ابن کثیر ''البدایہ والنہایہ'' میں اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ تفردبہ احمد[1] یعنی اس حدیث کے راوی صرف امام احمد ہیں، مگر یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں، امام صاحب کی تو بڑی شان ہے، کسی ثقہ کا تفرد بھی قادح صحت نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ اس روایت کا ایک راوی براء بن عبداللہ بن یزید الغنوی البصری القاضی جو امام حسن بصری سے اس روایت کو نقل کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو ضعیف لکھا ہے[2]۔ مگر آئمہ جرح و تعدیل کی تصریحات جو اس کے بارے میں ہیں ان پر نظر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ زیادہ ضعیف نہیں ہے۔ چنانچہ ابن عدی کہتے ہیں کہ ھو عنداقرب الی الصدق عنه الی الضعف[3] یعنی میرے نزدیک یہ ضعف کے بجائے صدق کے زیادہ قریب ہے اور امام بزار فرماتے ہیں کہ لیس بالقوی وقد احتمل حدیثه گو یہ قوی نہیں تاہم اس کی روایت قابل برداشت ہے اور ایک بار امام موصوف نے اس کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ لیس به باس[4] یعنی اس میں کوئی خرابی نہیں اور

---

[1] ج۶ ص۲۲۳ طبع ۱۹۶۶ء شائع کردہ دار المعارف بیروت [2] تقریب التہذیب

بعینہٖ یہی الفاظ امام ابوداؤد سجستانی سے بھی اس کے بارے میں منقول ہیں[1]۔ غالباً اسی لئے حافظ ابن کثیر نے براء کے بارے میں کچھ اظہار خیال نہ فرمایا، تاہم اس کے ضعف کی بناء پر شاید کسی کو یہ خیال آئے کہ روایت میں ''سند'' کا اضافہ ضعف حافظہ کا نتیجہ ہوگا مگر واقعات اس پیشین گوئی کی بھی صحت کے شاہد ہیں، بلکہ سندھ پر تو ہند سے بھی پہلے لشکر اسلام کا حملہ ہوا تھا۔ بہر حال غزوۂ ہند کی پیشین گوئی باسانید صحیحہ حضرت ثوبان و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کی روایت سے ثابت ہے اور غزوۂ سندھ کی پیشین گوئی بسند حسن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے روایت کا ضعف اتنا شدید نہیں ہے کہ جس کی بناء پر اس کو سرے سے نظر انداز کردیا جائے بلکہ حافظ جلال الدین سیوطی نے تو ''جمع الجوامع'' کے دیباچہ میں یہاں تک تصریح کردی ہے کہ:-

وکل ما کان فی مسند احمد فهو مقبول فان الضعیف الذی فیه یقرب من الحسن[2]

اور ہر وہ روایت جو مسند احمد میں ہے، مقبول ہے کیونکہ اس میں جو ضعیف روایت بھی ہے وہ حسن کے قریب قریب ہے۔

صادق مصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلا تھا وہ آخر پورا ہو کر رہا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں ۹۲ ہجری میں محمد بن قاسم ثقفیؒ کی سرکردگی میں اسلامی فوج سندھ پر حملہ آور ہوئی اور ۹۵ ہجری میں اسلامی فتوحات کا سیلاب سندھ کے تمام حدود کو پار کر گیا جس کے نتیجہ میں سندھ کا تمام علاقہ اسلامی قلمرو میں داخل ہو گیا اور ایک عرصہ تک سندھ میں اموی اور عباسی خلفاء کی طرف سے والی مقرر ہو کر آتے رہے۔ پھر چوتھی صدی کے اواخر میں سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کا رخ کیا اور سومنات کے بتکدے کو تاراج کر کے دم لیا۔ اب غزنین سے لاہور تک اسلامی راج تھا۔ محمود

[1] تہذیب التہذیب میں اس کا تذکرہ پڑھئے [2] ملاحظہ ہو ''کنز العمال'' ج ۲ ص ۳ دائرۃ المعارف

غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کی اولاد تقریباً دو سو سال تک غزنین سے لاہور تک حاکم و متصرف رہے۔ غزنویوں ہی کے عہد حکومت میں ہمارے پاکستان کے مشہور بزرگ اور ولی اللہ حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۶۵ ہجری نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے لاہور کو نوازا، حضرت ممدوح نے اپنی مشہور تصنیف ''کشف المحجوب'' میں جس کا شمار تصوف کی اعلیٰ ترین کتابوں میں ہوتا ہے اس سرزمین کے بارے میں اپنا جو ''رویائے صادقہ'' بیان کیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے فرماتے ہیں:۔

ومن کہ علی بن عثمان الجلابی ام ''وفقنی اللہ'' بدمشق شام بودم بر سرِ گو مؤذن رسول خدائے صلی اللہ علیہ وسلم خفتہ، خود را بمکہ دیدم اندر خواب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از باب بنی شیبہ اندر آمدو پیرے را در بر گرفتہ، چنانکہ اطفال را در برگیرند بشفقتے، من پیش رویدم، بردست و پایش بوسہ دارم، و در تعجب بودم تا آں کیست و آں حالت چیست ! وے بر باطن و اندیشہ من مشرف شد، مرا گفت ایں امام تو و اہلِ دیار تست یعنی ابوحنیفہ، مرا بداں خواب امید بزرگست و با اہلِ دیار خود ہم، و درست گشت ازیں خواب مرا کہ وے یکے از آناں بودہ است کہ از اوصاف طبع فانی بودند و باحکام شرع باقی و بداں قائم۔ چنانکہ برندہ دے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بودہ است و اگر دے خود رفتے باقی الصفت بودے، و باقی الصفت یا مخطی بود یا مصیب چوں برندہ دے پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم بود فانی الصفت باشد بقائے صفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، و چوں بر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خطا صورت نگیر و برآنکہ بدو قائم بود نیز صورت نگیرد و ایں رمز لطیف است[1]

[1] کشف المحجوب ص ۱۳۱ طبع سمرقند ۱۳۰۳ھ و ص ۸۶ طبع لاہور ۱۳۹۸ھ

میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق خیر دے۔ شام کے شہر دمشق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے سرہانے سو رہا تھا، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے ایک پیر مرد کو اپنی گود میں لئے اس حال میں اندر تشریف لا رہے ہیں کہ جس طرح بچوں کو پیار سے گود میں اٹھاتے ہیں۔ میں دوڑ کر حاضر خدمت ہوا اور آپ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے لگا اور تعجب میں تھا کہ یہ کون صاحب ہیں اور یہ کیا حالت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اندرونی اندیشے کو دریافت کرلیا اور مجھ سے فرمایا یہ ابوحنیفہ ہیں جو تمہارے بھی امام ہیں اور تمہارے اہل ملک کے بھی۔ مجھے اس خواب سے اپنے بارے میں بڑی امید ہے اور اپنے اہلِ دیار کے بارے میں بھی۔ اور مجھے اس خواب سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ امام اعظم ان حضرات میں سے ہیں کہ جو اپنے اوصاف طبع کے لحاظ سے فانی اور احکام شرع کے لحاظ سے باقی ہیں اور ان ہی کے ذریعہ قائم ہیں۔ چنانچہ ان کو لے کر چلنے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اگر وہ اپنے آپ چلتے ہوتے تو باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت غلط فیصلہ بھی کرسکتا ہے اور صحیح بھی، اور اب جب ان کو اٹھا کر چلنے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے تو وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بقائے صفت کی وجہ سے فانی الصفت ٹھہرے اور چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر خطا کی کوئی صورت نہیں، اس لئے جس کا قیام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

عالی سے وابستہ ہو اس پر بھی خطا کی صورت نہیں بن سکتی (یاد رہے) یہ ایک لطیف رمز ہے۔

اب تک مسلمانوں کی حکمرانی لاہور تک تھی ۵۸۹ ہجری میں سلطان معز الدین سام غوری رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے آخری فرماں روا پرتھی راج کو شکست دیکر دہلی کو دارالسلطنت قرار دیا۔ اس وقت سے لے کر ۱۲۷۳ھ تک اس برصغیر ہند و پاک کے علاقہ پر مسلمانوں کا تسلط و اقتدار برقرار رہا۔ اب حدیث صحیح اور اس رؤیائے صادقہ کی روشنی میں اس کشور ہند کے تمام فاتحوں اور غازیوں کی تاریخ اور ان کے حالات پڑھ جایئے۔ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر بلکہ سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ تک آپ کو کوئی غیر حنفی فاتح اور غازی نہیں ملے گا۔ اس ملک کے اولین غازی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا صحیح مصداق ہیں۔ ان ہی حضرات کی برکت سے ظلمت کدۂ ہند نور اسلام سے جگمگا اٹھا۔ ہندوستان میں ان فاتحین کے قدم رکھنے کے ساتھ ساتھ صوفیہ، ابدال اور علماء کی آمد شروع ہوئی اور مکان ہند جوق در جوق اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے چلے گئے۔ عوام و خواص سب کے سب عقیدہ و عمل کے لحاظ سے حنفی مذہب کے پیرو تھے جو شریعت محمدیہ کی سب سے پہلی تشریح اور تمام مذاہب میں سنت کے زیادہ قریب ہے اور ایمان و عمل میں اخلاص کی دولت صوفیہ کی بدولت نصیب ہوئی۔ چنانچہ کشمیر کے بارے میں محمد قاسم فرشتہ کے الفاظ ہیں۔

رعایای آن ملک کلہم اجمعین حنفی مذہب اند۔[1]

اور اس سے قبل تاریخ رشیدی کے حوالے سے ناقل ہے۔

مرزا حیدر در کتاب رشیدی نوشتہ کہ مردم کشمیر تمام حنفی مذہب بودہ اند[2]

---

[1] تاریخ فرشتہ ص ۳۳۷ طبع نول کشور [2] تاریخ فرشتہ ص ۳۳۶

اور حضرت مجدد الف ثانی مغل امپائر کے فرماں روا کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

''سلطان وقت خودرا حنفی مذہب می گیر دواز اہل سنت میداند'' ۱

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحصیل التعرف فی الفقہ والتصوف میں ارقام فرماہیں۔

''واہل الروم وماوراء النہر والہند حنفیون'' ۲

اہل روم، اہل ماوراء النہر اور اہلِ ہند سب حنفی ہیں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں۔

روزے در حدیث لوکان الدین عندالثریا لنالہ رجال اور جل من ھولاء یعنی اہل فارس، وفی روایۃ، لنالہ رجال من ہولاء بلاشک مذاکرہ می کردیم۔

ایک دن اس حدیث پر ہم گفتگو کر رہے تھے جس میں آتا ہے کہ اگر دین ثریا پر بھی ہو تو اس کو ان میں سے یعنی اہل فارس میں سے کچھ لوگ یا ان میں سے ایک شخص ضرور حاصل کر کے رہے گا۔

اور ایک روایت میں بغیر شک کے ہولاء کا ہی لفظ مذکور ہے یعنی اہل فارس کے کچھ افراد ضرور حاصل کر کے رہیں گے۔

فقیر گفت، امام ابوحنیفہ دریں حکم داخل ہست کہ خدائی تعالیٰ علم فقہ رابر دست وی شائع ساخت و جمعے از اہل اسلام رابآن فقہ مہذب گردانید خصوصا در عصر متاخر کہ دولت ہمیں مذہب است و بس، در جمیع بلدان و جمیع اقالیم بادشاہان حنفی اند و قضاۃ واکثر

۱۔ مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب دو صد و پنجاہ و یکم حصہ چہارم ص ۶۰ مطبع مجددی امرتسر ۱۳۲۹ھ ۲۔ اس کتاب کا عکسی نسخہ برادر عزیز مولوی محمد عبدالحلیم چشتی سلمہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے اور میں نے یہ عبارت اسی کے ص ۲۶ سے نقل کی ہے

مدرسان واکثر عوام حنفی ا۔

فقیر (یعنی میں) نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اس حکم میں داخل ہیں کہ حق تعالیٰ نے علم فقہ کی ان کے ہاتھوں اشاعت فرمائی اور اہل اسلام کی ایک جماعت کو اس فقہ کے ذریعے آراستہ فرمایا خصوصاً پچھلے دور میں کہ بس یہی مذہب نری دولت ہے تمام شہروں اور تمام ملکوں میں بادشاہ حنفی ہیں۔ قاضی اور اکثر مدرسین اور اکثر عوام حنفی ہیں۔

اور تفہیمات الٰہیہ میں لکھتے ہیں:

وجمہور الملوک وعامۃ البدان

متمذہبین بمذہب ابی حنیفۃؒ ۲

بیشتر سلاطین اور عام ممالک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے پیرو ہیں۔

واضح رہے کہ نجات ابدی کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ علم۔ عمل اور اخلاص۔ پھر علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ علم جس سے مقصود مجرد اعتقاد اور یقین قلبی ہے اور جس پر ایمان کا دارو مدار ہے اور جس کی تفصیل علم عقائد و کلام میں مذکور ہے، اور دوسرا وہ علم جس سے مقصود عمل ہے اور علم فقہ جس کے بیان کا متکفل ہے۔ اہل ہند عقائد و فقہ دونوں میں امام اعظم کے مسلک کے پیرو ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ عقائد و فقہ دونوں میں اسلامی دنیا کی اکثریت کے مقتداء ہیں۔ علم عقائد میں امام صاحب کی متعدد تصانیف یادگار ہیں جیسے (۱) کتاب الفقہ الاکبر (۲) کتاب العالم والمتعلم (۳) کتاب الرسالۃ الی عثمان البتی یہ سب

ا ملاحظہ ہو "کلمات طیبات" مجموعہ مکتوبات شاہ ولی اللہ مکتوب یازدہم ص ۱۷۷ طبع مطبع العلوم مرادآباد ۱۳۰۸ھ
ت واضح رہے کہ کاتب کی غلطی سے "البلدان" کی بجائے مطبوعہ نسخت میں "الیونان" طبع ہوگیا ہے جو محض غلط ہے۔ ۲ تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۲۱۲ شائع کردہ مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۵ھ

کتابیں مطبوع ومتداول ہیں۔امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ نے ائمہ حنفیہ کے عقائد کو ایک مستقل رسالہ میں اس نام سے جمع کر دیا ہے۔ بیان عقیدة فقہاء الملة ابی حنیفہ وابی یوسف ومحمد بن الحسن رحمہم اللہ، یہ رسالہ ''العقائد الطحاویہ'' کے نام سے مشہور ومتداول ہے۔امام طحاوی کے معاصر ماوراء النہر کے مشہور امام، امام اہل السنہ ابو منصور ماتریدی رحمتہ اللہ علیہ المتوفی ۳۳۲ھ نے جو امام الہدیٰ کے لقب سے مشہور ہیں۔ان عقائد کو عقل ونقل کی روشنی میں بڑی تفصیل کے ساتھ مدون فرمایا ہے اور بڑی عمدہ تصانیف اس سلسلہ میں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔تمام حنفی دنیا اس بارے میں آپ کی مرہون منت ہے۔امام ابو جعفر طحاوی رحمتہ اللہ علیہ نے جس طرح اپنی بیش بہا تصانیف، احکام القرآن، شرح معانی الآ ثار بیان مشکل الآ ثار وغیرہ کے ذریعہ فقہ حنفی کی خدمت کی ہے، اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس کو خوب مدلل ومبرھن کیا ہے، بعینہ وہی کام امام ابو منصور ماتریدی نے اپنی گرانقدر تصانیف تاویلات القرآن، کتاب المقالات، کتاب التوحید وغیرہ کے ذریعے حنفی عقائد کے بارے میں انجام دیا ہے۔جزاہما اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزا۔ ہندوستان ماوراء النہر اور روم کا تمام خطہ بلکہ تمام حنفی عقیدۂ ماتریدی کہلاتے ہیں۔یہ واضح رہے کہ عقائد کے اعتبار سے گو اہل السنة والجماعة میں بنیادی طور پر کوئی اہم اختلاف نہیں ہے۔تاہم عقائد ماتریدیہ اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ ان کی تدوین فلسفہ کے اثر سے قطعاً پاک ہے اور ان کی بنیاد خالص کتاب وسنت پر ہے، چنانچہ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ جو علم عقائد وکلام میں امامت واجتہاد کے منصب پر فائز ہیں فرماتے ہیں۔

بریں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلافیات کلام حق بجانب حنفی است، تکوین را از صفات حقیقیہ می داند، ہر چند بظاہر رجوع بقدرت ارادت می نماید۔لیکن بدقت نظر ونور فراست معلوم می گردد کہ

صفت علیحدہ است علی ہذا القیاس، ودر خلافیات فقہی دراکثر مسائل حق بجانب حنفی است و دراقل متردد وایں فقیررا در توسط احوال حضرت پیغامبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات درواقعہ فرمودہ بودند کہ تو از مجتہدانِ علم کلامی، ازاں وقت در ہر مسئلہ از مسائل کلامیہ ایں فقیررا رای خاص است وعلم مخصوص، دراکثر مسائل خلافیہ کہ ماتریدیہ واشاعرہ درانجا متنازع اندورابتداء ظہور آن مسئلہ حقیقت بجانب اشاعرہ مفہوم می گردد وچوں بہ نور فراست حدت نظر نمودہ می آید واضح میگردد کہ حق بجانب ماتریدیہ است۔

اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ علم کلام کے اخلاقی مسائل میں حق حنفیوں کی طرف ہے چنانچہ تکوین کو حق تعالیٰ کے حقیقی صفات میں جانتا ہوں اور ہر چند کہ بظاہر صفت تکوین قدرت وارادہ ہی کی طرف لوٹتی نظر آئی ہے۔ لیکن دقت نظر اور نور فراست سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستقل صفت ہے علیٰ ہذالقیاس (اور مسائل خلافیہ کلام کا حال ہے) اور فقہی اختلافات میں اکثر مسائل کے اندر حق حنفی مذہب کی جانب سے اور بہت ہی کم میں متردد (کہ دوسری جانب بھی ان کے حق ہونے کا احتمال ہے)

اور اس فقیر کو اثناء احوال میں حضرت پیغمبر علیہ والہ الصلوٰت والتسلیمات نے واقعہ میں فرمایا تھا کہ تو علم کلام کے مجتہدین میں سے ہے اس وقت سے مسائل کلامیہ میں سے ہر مسئلہ میں اس فقیر کی ایک خاص رائے اور مخصوص علم ہے۔ اکثر وہ اختلافی مسائل کہ جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کے مابین نزاع ہے، ان

میں مسئلہ کے ابتداء ظہور میں تو حقیقت اشاعرہ کی جانب معلوم ہوتی ہے لیکن جب نور فراست سے گہری نگاہ ڈالی جاتی ہے تو واضح ہوتا ہے کہ حق ماتریدیہ کی جانب ہے۔

درجمیع مسائل خلافیہ کلامیہ رای ایں فقیر موافق رائ علماء ماتریدیہ است والحق کہ ایں بزرگواران را بواسطہ متابعت سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ شان عظیم است کہ مخالفانِ ایشان رابواسطہ خلط فلسفیات آن شان میسر نیست اگر چہ ہر دو فریق از اہل حق اند[1]

علم کلام کے تمام مسائل خلافیہ میں اس فقیر کی رائے علماء ماتریدیہ کے موافق ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ ان بزرگوں کی اتباع سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بدولت ایسی بڑی شان ہے کہ جو شان ان کے مخالفین کو فلسفہ کے مسائل کو ملا دینے کے سبب میسر نہیں، اگر چہ دونوں فریق اہل حق سے ہیں۔

اور دوسرے مقام پر رقم طراز ہیں:۔ و درمیان علماء اہلِ سنت طریق اصحاب شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی چہ زیبا است کہ اقتصار بہ مقاصد فرمودہ اند واعراض از تدقیقات فلسفہ کردہ۔ طریق نظر و استدلال بطریق فلسفی درمیان علماء اہل سنت و جماعت از شیخ ابوالحسن اشعری ناشی شدہ است، وخواستہ کہ معتقدات اہلِ سنت را باستدلال فلسفی تمام ساز دو ایں دشوار است و دلیر ساختن است برطعن اکابردین وگزاشتن است طریق سلف راثبنا اللہ سجانہ علی متابعۃ آرا اہل الحق المقتبسۃ من انوار النبوۃ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات اتمہا واکملہا[2]

[1] ملاحظہ ہو رسالہ "مبدا و معاد" از حضرت مجدد الف ثانی ص ۳۹ طبع مطبع انصاری دہلی [2] ایضاً ص ۵۶

علمائے اہل سنت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی کے اصحاب کا طریقہ کیسا زیبا ہے کہ مقاصد پر اکتفا فرماتے ہیں اور فلسفیانہ باریکیوں پر رخ نہیں کرتے۔ فلسفیانہ طرز پر بحث واستدلال کا طریقہ علمائے اہل سنت و جماعت کے درمیان شیخ ابوالحسن اشعری سے شروع ہوا ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ اہل سنت کے عقائد کو فلسفیانہ ؟ استدلال سے مکمل کیا جائے اور یہ دشوار بات ہے اور اکابردین کے طعن پر جرأت دلانا اور سلف کے طریقے کو چھوڑنا ہے۔ اللہ سبحانہ آرا اہل حق کی پیروی پر کہ جو انوار نبوت سے جگمگا رہی ہے ہمیں ثابت قدم رکھے۔ ذات رسالت مآب پر اتم واکمل صلوات وتسلیمات۔

اور فقہ حنفی کے بارے میں حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں۔

بے شائبہ تکلف وتعصب گفتہ می شود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر کشفی در رنگ دریائے عظیم می نماید وسائر مذاہب در رنگ حیاض وجداول بنظرمی درآیند و بظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ می آید سواد اعظم از اہلِ اسلام متابعان ابی حنیفہ اند علیہم الرضوان، وایں مذہب باوجود کثرت متابعان اصول وفروع از سائر مذاہب متمیز است ودر استنباط طریق علیحدہ دارد، وایں معنی از حقیقت است[1]

بغیر کسی تکلف وتعصب کے شائبہ کے کہا جاسکتا ہے کہ نظر کشفی میں اس مذہب حنفی کی نورانیت ایک بڑے سمندر کی طرح معلوم ہوتی ہے اور بقیہ مذاہب ایسے نظر آتے ہیں جیسے کہ حوض اور نہریں، ہوتی ہیں اور ظاہر میں بھی دیکھا جائے تو اہل اسلام کا سواد اعظم

---

[1] مکتوبات امام ربانیؒ دفتر دوم، مکتوب پنجاہ وپنجم ص ۱۴ حصہ ہفتم طبع امرتسر ۱۳۳۲ھ

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔ امام ابوحنیفہ ہی کا پیرو ہے نیز یہ مذہب اپنے متبعین کی کثرت کے باوجود اصول فروع میں تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور طرز استنباط میں جداگانہ طریقہ کا حامل ہے، اور یہ بات بھی اس کی حقانیت کی خبر دیتی ہے۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:۔

عرفنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان فی المذاهب الحنفی طریقة انیقة هی اوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابه [1]

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے جو اس سنت معروفہ کے سب سے زیادہ موافق ہے جو امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانے میں مدون و منقح ہوئی ہے۔

ایک اور وجہ مذہب حنفی کی حقانیت کی یہ بھی ہے کہ جب سے اس مذہب کا شیوع ہوا اسلامی دنیا کے غالب حصہ میں علمِ جہاد ان ہی کے ہاتھ میں رہا۔ قسطنطنیہ کے فاتح یہی ہیں، ہندوستان کے فاتح یہی ہیں اور اسی مذہب کے ذریعہ کم وبیش ایک ہزار سال تک دنیا میں اسلامی نظام نافذ رہا۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فیوض الحرمین کے بالکل آخر میں ملتِ حقہ اور مذہب حق کی ایک شناخت یہ بھی لکھی ہے کہ:۔

بان یکون حفظة المذهب هم القائمون بالذب عن الملة اویکون شعارهم فی قطر من الاقطار هو الفارق بین الحق والباطل (ص ۱۰۳ و ۱۰۴)

---

[1] فیوض الحرمین ص ۴۸ شائع کردہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند

اس مذہب کے پاسبان ہی ملت اسلام کی طرف سے دفاع کے
لئے کھڑے ہوں، یا ممالک میں سے کسی خاص ملک میں ان کا
شعار ہی حق و باطل میں فرق کرنے والا ہو۔

اب براعظم ایشیا کی پوری اسلامی تاریخ پڑھ جایئے آپ کو اسلامی اقتدار کا نشانہ حنفی ہی ملیں گے۔ بارہ سو سال سے اس براعظم میں علم جہاد ان ہی کے ہاتھ میں رہا ہے، یہی دین حق کے پاسبان اور ملتِ اسلام کے محافظ رہے ہیں۔ بالخصوص ہند و پاک اور سرزمین روم و ماوراءالنہر میں ہر جگہ کفر سے نبرد آزمائی ان کا شیوہ رہا ہے اور کفار عجم کے مقابلے میں یہی ہمیشہ سینہ سپر رہے ہیں یہی تھے جو ان تمام ممالک میں حق و باطل کے ہر معرکہ آرائی میں ہر جگہ حق کا شعار اور صداقت کا نشان رہے ہیں۔

تیسری چیز اخلاص جو علم و عمل کے لئے بمنزلہ روح ہے اس کا حصول سلوک طریقہ صوفیہ سے وابستہ ہے سو الحمدللہ سرزمین ہند و پاکستان شروع ہی سے جب سے غازیان اسلام نے ادھر کا رخ کیا حضرات قدسی صفات کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوتی رہی ہے۔ دور غزنوی میں ان بزرگوں کی آمد کا یہ اہتمام تھا کہ ادھر حضرت حسین زنجانی رحمتہ اللہ علیہ کا جنازہ لاہور سے نکل رہا تھا اور اُدھر حضرت علی ہجویری صاحبِ ''کشف المحجوب'' کا داخلہ ہو رہا تھا۔ غوریوں کے عہد میں جب قبۃ الاسلام دہلی یہاں کے مسلمانوں کے فرماں رواؤں کا دارالملک بنا تو پھر ان حضرات کی آمد میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ مشائخ سہروردیہ، شیوخ فردوسیہ، بزرگانِ قادریہ۔ حضرات چشت اہل بہشت، سب کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ کشمیر فتح ہوا تو کبراء ہمدانیہ کا وہاں ورود ہوا۔ ان حضرات کی آمد سے اخلاص کا نور چمکا اور کفر زار ہند میں اسلام کو وہ فروغ ہوا کہ باید و شاید، ہندوستان جیسی سنگلاخ زمین کے جہاں کے باشندے اپنے آپ کو پوتر اور دوسروں کو ملچھ سمجھتے

تھے۔ جن کے نزدیک دوسروں کا مذہب قبول کرنا تو بڑی بات ہے ان سے ہاتھ ملانا تک گوارا نہ تھا بلکہ ان کے سائے سے پرہیز کرنا بھی ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ بطوع و رغبت داخل اسلام ہوتے چلے گئے اور آج ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں جو بفضلِ تعالیٰ اہلِ اسلام کی تعداد پچیس کروڑ کے لگ بھگ ہے وہ ان ہی بزرگوں کی مساعی جمیلہ کا صدقہ اور ان ہی کے اخلاص کی برکت ہے اور گو اس میں شک نہیں کہ اس برصغیر میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں سہروردی۔ فردوسی، ہمدانی، قادری سب ہی سلاسل کے بزرگوں کی کوششوں کو بڑا دخل ہے لیکن یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ ان بزرگوں کی برکات خاص خاص خطوں اور علاقوں تک محدود رہیں۔ ملتان کے حدود میں سہروردیہ کا اثر رہا، اوچ کے علاقہ میں قادریوں کا دلی اور بہار کے نواح میں فردوسیوں کا اور کشمیر میں ہمدانیوں کا لیکن پورے برصغیر پر جن بزرگوں نے علی العموم اقلیم دلی پر فرماں روائی کی وہ حضرات چشت اہل بہشت تھے۔ بعد کو مغل دور حکومت میں ان کی جگہ قافلہ سالاران اہل دل حضرات اکابر نقشبندیہ ہوئے جن کا اثر اس برصغیر سے نکل کر روم و عرب اور ماوراء النہر تک پہنچا، اور عالم اسلام کا بہت بڑا حصہ ان کے انوار سے معمور ہو گیا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل بجا فرمایا ہے کہ:۔

> تخم از بخارا و سمرقند آوردہ درزمین ہند کہ مایہ اش از خاک یثرب و بطحا است کشتند و بآب فضل سالہا آن را و سیراب داشتند و بربیت احسان آنرا مربّے ساختند، چون آن کشت و کار بکمال رسید ایں علوم و معارف ثمرات بخشید[1]

بخارا و سمرقند سے تخم لا کر سرزمین ہند میں کہ جس کی اصل یثرب و بطحا کی خاک سے ہے اس کو بویا اور فضل خدا کے پانی سے برسوں

[1] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۲۶۰ اوصد و شستم ص ۹۲ حصہ چہارم طبع امرتسر۔

اس کو سینچا۔ اور اخلاص کی تربیت سے اس کی پرورش کی پھر جب یہ کھیتی باڑی اپنے کمال پر پہنچی تو یہ علوم و معارف پھل دینے لگے۔

اور ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کی نقاب کشائی ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

مخدومادر ہندوستان ہم ولایت میسرست......امروز در ہندوستان آں میسرست کہ در اکثر جانیست، از کثرت فیوض و وارات رشک بقاع و بلاداست، واز مزج صباحت و ملاحت وشباہت تام بتربت یثرب وبطحا در حسن و لطافت واردواز انوار و برکات آن بیش از بیش امیدوارست [1]

مخدوما ہندوستان میں بھی ولایت میسر ہے......آج کل ہندوستان میں وہ چیز میسر ہے جو اکثر جگہوں پر نہیں ہے یہ فیوض و واردات کی کثرت سے دوسرے مقامات اور شہروں کے لئے باعثِ رشک ہے اور خوبروئی و نمکینی کی باہمی آمیزش کی بدولت یثرب وبطحا کی خاک سے حسن ولطافت میں شباہتِ تام رکھتا ہے (اور بندہ) اس کے انوار و برکات سے زیادہ سے زیادہ امید رکھتا ہے۔

یہ ہے اس ہندوستان جنت نشان میں شمع اسلام کے فروزاں ہونے کی مختصر سی داستان صداقت نشان، پھر دو وقت اس سرزمین پر ایسے بھی آئے جن میں یہ ڈر تھا کہ اسلام کی یہ شمع فروزاں جس کو غازیوں نے اپنے خون سے اور اہل دل نے اپنے شعلہ نفسیوں سے اب تک روشن رکھا تھا نصیب دشمناں کہیں ہمیشہ کے لئے بجھ نہ جائے۔ ایک اکبری دورالحاد کہ جس کے اثر بد کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ

[1] مکتوبات معصومیہ جلد ثالث، مکتوب چہل ہشتم ص۔ طبع امرتسر ۱۳۴۰ھ

علیہ نے اپنی تربیت باطنی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی علمی کاوشوں کے ذریعہ زائل کیا۔ جزاہما اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء۔
دوسرا انگریز کا عہد نحوست عہد بالخصوص ۱۲۷۳ھ کا ہنگامہ رست وخیز کہ جس میں اس ملک کے اندر مسلمانوں کے اقتدار کا بالکل خاتمہ ہوگیا اور ہر طرف مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جانے لگی۔ طرح طرح کے فتنوں نے سر اٹھایا۔ لامذہبیت، نیچریت اور قادیانیت نے جنم لیا۔ اہل بدعت نے زور باندھا اور ہر طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔ لیکن حق تعالیٰ کو ابھی اس ملک میں اسلام کو باقی رکھنا منظور تھا (دہلی کے عربک کالج سے دو طالب علم نکلے جن کی علمی تربیت مولانا ملوک العلی اور مولانا عبدالغنی صاحب محدث مجددی رحمتہ اللہ علیہما نے کی تھی اور باطنی تربیت شیخ وقت حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی مہاجر مکی رحمتہ اللہ نے اخلاص کی دولت اور چشتیہ ونقشبندیہ کی نسبت حاجی صاحب کے آستانے سے ملی) اور مجددیہ کے برکات اور خاندانِ ولی الٰہی کے علوم وفیوض ان دونوں بزرگان مذکور الصدر کے خوان علمی ہے۔ میری مراد ان دونوں طالب علموں سے حضرت محدث گنگوہی مولانا رشید احمد اور حضرت متکلم اسلام مولانا محمد قاسم رحمتہ اللہ علیہما سے ہے۔ قدرت کو ان دونوں سے کام لینا تھا۔ آگے چل کر ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا۔ کہ ایک ایسی درس گاہ کی بنیاد رکھی جائے جو اس دور زوال وانحطاط میں مسلمانوں کے دینی علوم کی نشر واشاعت اور ان کی علمی و دینی تربیت کا مرکز ہو۔ حق تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔ وہ مدرسہ جو ۱۵/محرم ۱۲۸۳ھ میں جاری ہوا۔ دیوبند جیسی گمنام بستی میں، چھتہ کی مسجد کے اندر، انار کے درخت کے نیچے، جس کے پہلے مدرس مولانا محمود دیوبندی اور پہلے طالب علم مولانا محمود حسن (شیخ الہند) تھے اور ۲/ذی الحجہ ۱۲۹۲ ہجری کو جس کی بنیاد کا پہلا پتھر مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے رکھا، اور بعد

میں جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا محمد مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہم نے ایک ایک اینٹ رکھی اور جس کی پہلے سال کی آمدنی کل چھ سوانچاس روپے چار آنے تھی۔ کل دو مدرس ایک عربی اور ایک فارسی وریاضی کے مقرر ہوئے تھے اور کل بیس طالب علم شروع میں شریک ہوئے تھے، سوچئے آج ایک سو سال گزر جانے پر کس عظمت کا حامل ہے اور اس سے دین حنفی ومذہب حنفی کی کیسی سرسبزی وشادابی ہوئی، بقول مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ:۔

''ذرا سوچئے ان لوگوں کو جو تقریباً ایک صدی سے عالم دین بن بن کر دارالعلوم دیوبند سے نکل رہے ہیں اور ملک کے طول وعرض میں پھیل رہے ہیں اور خود وہی نہیں بلکہ کون نہیں جانتا کہ ان میں ایسے کتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور ان سے اثر پذیر ہونے والے عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں سے تجاوز ہے۔ ان میں حکیم الامت مرشد تھانوی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن، حضرت امام کشمیری، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی وغیرہم جیسے حضرات ہیں جن میں ہر ایک اپنے اپنے وقت اور حلقۂ اثر میں مستقل امام اور پیشوا مانے جاتے ہیں۔'' [1]

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ ''خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی شے پر بیٹھا ہوں، اور کوفہ کی طرف میرا منہ ہے اور ادھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا جاتی ہے۔'' مولانا نانوتوی نے اس خواب کا تذکرہ حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کے بھائی مولانا محمد یعقوب صاحب سے فرمایا۔ مولانا یعقوب نے اس خواب کو سن کر فرمایا کہ ''یہ خواب دیکھنے والے شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ہوگی۔ امیر شاہ خان صاحب جو اس خواب کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خواب اور اس کی تعبیر خود مولانا

---

[1] سوانح قاسمی از مولانا مناظر احسن گیلانی ج ۱ ص ۱۳۳ شائع کردہ دارالعلوم دیوبند ۱۳۷۳ھ

نانوتوی سے کی ہے[1] اس خواب کی جو تعبیر دی گئی آج اس کی حقیقت اظہر من الشمس ہے۔ مولانا گیلانی نے اس سلسلہ میں بہت صحیح فرمایا ہے کہ:۔

''تیرھویں صدی کے آخر میں مسلمانان ہند کی اپنی زندگی کی وحدت کو شدید خطرہ فتنہ غیر مقلدیت کے طوفان کی وجہ سے پیش آ گیا تھا اور قریب تھا کہ یک جہتی کا یہ شیرازہ بکھر کر پراگندہ ہو جائے۔ شتر بے مہاری کے اس سیلاب میں ڈر تھا کہ سلف کے سارے کارنامے شاید تہ و بالا ہو کر رہ جائیں، اس کڑے وقت اور کٹھن گھڑیوں میں درس حدیث کے قاسمی یا دیوبندی طریقہ نے خصوصیت سے کام کیا اور دین کی وہ تشریحی شکل جو امام ابوحنیفہ اور ان کے ماننے والے ائمہ و علماء کی جدوجہد کی بدولت صورت پذیر ہوئی۔ یہ ان کا صدقہ ہے کہ دین کا یہ حنفی قالب شکست و ریخت، ٹوٹ پھوٹ کے خطرے سے ہندوستان میں محفوظ رہا۔''[2]

آخر میں جناب آل احمد سرور پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا یہ محاکمہ بھی پڑھ لیجئے جو ان کے قلم سے ان الفاظ میں تراوش ہوا ہے۔

''ہر ایک تحریک اپنے اندر مختلف قسم کے اثرات چھپائے رکھتی ہے۔ علیگڑھ کی تحریک ایک انقلابی تحریک تھی، یہ ترقی پسند تحریک تھی، یہ بادشاہت کے نشہ کو اتار کر حقیقت کی تصویر دکھانا چاہتی تھی، مذہب میں عقلیت، سماجی زندگی میں رسم درواسے بیزاری تعلیم و تربیت میں مغربیت اور اجتماعی اخلاق کی تلقین کے ذریعہ سے اس نے انقلابی خدمات انجام دیں۔ مگر ۱۸۹۰ء کے قریب اس تحریک کی مغرب دوستی انگریز پرستی بننے لگی تھی اور اس لحاظ سے یہ ان علماء کے مقابلے میں پیچھے تھی جو دیوبند کے ذریعے سے حریت اور سیاسی جدوجہد کے علمبردار تھے''[3]

محمد عبدالرشید نعمانی

۲۳ / جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ

---

[1] ایضاح ادلہ ص ۱۳۴ و ۱۳۵۔ [2] ایضاً ص ۱۳۴ تا ۱۳۶ [3] ملاحظہ ہو "تنقید کیا ہے" از پروفیسر آل احمد سرور ... ۱۹۵۳-۸۳ء